© rasailojaraid.com

فکر و نظر............ اسلام آباد   جلد: ۴۵   شمارہ: ۱

مقاصدِ شریعت کی روشنی میں معاصر اسلامی مالیات کا جائزہ☆

محمد نجات اللہ صدیقی☆☆

اس مقالہ میں اس بات کی کوشش کی جائے گی کہ گزشتہ مباحث(۱) کی روشنی میں ایک عملی مسئلہ میں معاصر فکر و عمل کا تنقیدی جائزہ لیا جائے۔ کچھ اپنی سہولت اور کچھ موضوع کی اہمیّت کی بنا پر ہم نے اس کام کے لیے مالیات finance کا انتخاب کیا ہے۔ پہلے مالیات کے بارے میں کچھ بنیادی باتیں پیش کی جائیں گی۔ پھر یہ دیکھا جائے گا کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں کی صورت حال اور موجودہ صورت حال میں کیا فرق ہے اور مستقبل کے رجحانات کیا ہیں۔ اس کے بعد عصرِ جدید میں مالیات کی اسلامی تنظیم نو کی جو کوششیں کی جا رہی ہیں ان کا جائزہ لیا جائے گا۔ اس جائزے کی روشنی میں در پیش مسائل اور مشکلات پر غور کیا جائے گا اور یہ دیکھا جائے گا کہ مقاصدِ شریعت کی طرف رجوع ان مسائل اور مشکلات کے حل میں کس طرح مدد گار ہو سکتا ہے۔

مالیات

یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ زندگی گذارنے کے لیے پیداوارِ دولت...... زرعی اجناس، صنعت و حرفت کے نتیجہ میں ملنے والی چیزیں، تعلیمی، طبّی اور دوسری خدمات، وغیرہ ضروری ہے۔ چونکہ کوئی آدمی اکیلے اپنی ضرورت اور آسائش کی ساری چیزیں نہیں پیدا کر سکتا اس لیے مبادلہ (exchange) بھی ناگزیر ہے۔ اشیاء کا اشیاء سے مبادلہ (barter) دشوار تر اور ضیاع وقت کا سبب بنتا ہے، اس لیے زر کا استعمال شروع ہوا۔ پیداواری عمل میں وقت لگتا ہے۔ اس وقت کے دوران پیداواری عمل میں لگے ہوئے عوامل پیداوار کو معاوضے دینے پڑتے ہیں اور خام مواد کی قیمت ادا کرنا ہوتی ہے۔ فنانس

☆ محمد نجات اللہ صدیقی صاحب کے پانچ مقالات فکر و نظر کے درج ذیل شماروں میں طبع ہو چکے ہیں۔ یہ مقالہ بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔

۱۔ مقاصد شریعت، ایک عصری مطالعہ۔ اپریل، جون ۲۰۰۴ء

۲۔ مقاصد شریعت اور معاصر اسلامی فکر-وقائع اور امکانات۔ اکتوبر، دسمبر ۲۰۰۵ء

۳۔ مقاصد شریعت کی پہچان اور تطبیق میں عقل و فطرت کا حصہ۔ جنوری، مارچ ۲۰۰۶ء

۴۔ مقاصد شریعت کے فہم و تطبیق میں اختلاف کا حل..................

۵۔ مقاصد شریعت کی روشنی میں اجتہاد کی حالیہ کوششیں..................

☆☆ وزیٹنگ پروفیسر، اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، اسلامی ترقیاتی بینک، جدہ-سعودی عرب۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیداواری عمل کی تنظیم کے عمل میں رقم لگانے کا نام ہے۔ اس کا اطلاق خود اس رقم پر بھی ہوتا ہے جو کاروبار کرنے والے نے ان مصارف کے لیے حاصل کی ہو۔ اس کا منبع (source) اس کی اپنی بچت بھی ہو سکتی ہے ورنہ یہ رقم وہ کسی دوسرے سے بھی حاصل کر سکتا ہے۔ جب یہ معاملہ براہ راست بچت کار اور کاروباری کے درمیان ہو تو ہم اسے براہ راست مالیات (direct finance) کا نام دیتے ہیں اور جب بچت کرنے والے اور اسے کاروبار میں استعمال کرنے والے کے درمیان کوئی اور بھی ہو تو اسے بالواسطہ مالیات (indirect finance) کہتے ہیں۔ انسانیت کے ابتدائی ادوار کی سادہ معیشت میں براہ راست مالیات کا رواج تھا مگر جیسے جیسے آبادی بڑھی، مصنوعات بڑھیں اور پیداواری عمل میں لگنے والی مدّتِ وقت بڑھی، بالواسطہ مالیات کا رواج بھی بڑھا۔ واقعہ یہ ہے کہ براہ راست مالیات میں بھی بعض وہی نقائص پائے جاتے ہیں جو اشیاء کے ساتھ مبادلہ میں پائے جاتے ہیں، براہ راست مالیات بھی زحمت طلب اور وقت لیوا ہے(۲)۔ اس کے برعکس جب بچت کار اپنی بچتیں کسی درمیانی فرد یا ادارے کے سپرد کرنے لگتے ہیں اور کاروباری اپنی مالیاتی ضرورت پوری کرنے کے لیے اس کی طرف رجوع کرنے لگتا ہے تو پورے سماج کو فائدہ ہوتا ہے، لوگوں کا وقت برباد نہیں ہوتا اور انھیں بسہولت اپنی مطلوبہ مقدار میں مطلوبہ مدّت کے لیے مالیات حاصل ہو جاتے ہیں۔ جس طرح انسانی معاشرہ کی ترقی اور معاشی خوش حالی میں زر کے استعمال نے بڑا کام کیا ہے اسی طرح فنانس، خاص طور پر بالواسطہ فنانس کا بھی اس میں بڑا حصہ ہے۔ مالیاتی وساطت (financial intermediation) کے ذریعہ یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ انسانی صلاحیات، عوامل پیداوار، مالی وسائل اور ترقی کے مواقع نہ ضائع ہوں نہ بیکار پڑے رہیں بلکہ ان کے مفید اور مؤثر استعمال سے سب کا بھلا ہو۔ مالیاتی وساطت فاضل مال کو ان کے مالکوں سے لے کر ان اموال کو پیدا آور کاروبار میں لگانے والوں تک پہنچانے کے سادہ کام کے علاوہ بعض دوسری پیچیدہ خدمات بھی انجام دیتی ہے جن کا ذکر آگے مناسب مواقع پر آئے گا۔ فنانس کی فراہمی کو بسا اوقات کریڈٹ کی فراہمی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، کیوں کہ فنانس کی فراہمی اکثر نقد قرض دینے یا سامان یا مال کو ادھار دینے کی شکل اختیار کرتی ہے۔

فنانس کا ایک اہم کام کاروبار میں درپیش عدم تیقّن uncertainty اور خطر risk کا سامنا کرنے، انھیں انگیز کرنے اور ان کے عواقب سے عہدہ برآ ہونے میں مختلف افراد اور اداروں کا اشتراکِ عمل میں لانا ہے۔ اکثر اوقات کاروبار میں درپیش خطر اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ اکیلا آدمی انھیں اٹھانے کی تاب نہیں رکھتا۔ مگر بہت سے لوگ تمویلِ کاروبار میں شریک ہو کر اس خطر کا تحمّل آسان بنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتے ہیں۔ دورِ جدید میں بعض کاروباری اعمال بہت کثیر سرمائے کو بہت طویل عرصہ کے لیے لگانے کے طالب ہوتے ہیں۔ مزید برآں نتائجِ کاروبار بھی بڑے عدم تیقّن کا شکار ہوتے ہیں۔ مالیاتی کارپوریشن لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں حصص کی فروخت کے ذریعہ ان کاروباری منصوبوں کی تمویل کو ممکن بنا دیتے ہیں۔ چونکہ یہ حصص بازار مالیات میں خرید و فروخت کے قابل ہوتے ہیں لہذا کسی کو بھی لازماً اپنی رقم طویل مدّت کے لیے پھنسانا ضروری نہیں۔ اسی طرح کاروباری منصوبے کی ناکامی کی صورت میں ہونے والا نقصان بھی اتنی بڑی تعداد میں بٹ جاتا ہے کہ اسے لوگ آسانی سے برداشت کر سکتے ہیں۔ جیسے جیسے انسان آگے بڑھ رہا ہے مالیات کا یہ پہلو، یعنی خطر اور عدم تیقّن کا سامنا کرنے انھیں انگیز کرنے اور ان کے عواقب سے عہدہ برآ ہونے میں مختلف افراد اور اداروں کا اشتراک و تعاون عمل میں لانے کا عمل، اس کے اوّلین اور سادہ ترین عمل، یعنی فراہمی وسائل سے اہم اور اہم تر ہوتا جاتا ہے۔

اس مرحلہ پر یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ مالیاتی وساطت کی کامیاب انجام دہی کے لیے صرف مالیات کی فراہمی اور مذکورہ بالا متعلقہ خدمات، بالخصوص خطرانگیزی میں اشتراک risk sharing کی بجاآوری کافی نہیں، یہ بھی ضروری ہے کہ یہ فراہمی اور بجاآوری عدل و انصاف پر مبنی ہو نیز اس میں احسان کی آمیزش بھی ہو تاکہ انسانی ماحول کے ناقابلِ تخمین عدم تیقّن کے منفی اثرات سارے انسان مل جل کر برداشت کر سکیں اور انسانی سماج کے نادار، مفلوک الحال اور کمزور، پیداواری عمل سے معذور عناصر بھی پیداوری عمل کے فیض سے یکسر محروم نہ رہ جائیں۔ مروّجہ فنانس اس بارہ میں بہت ناقص ہے۔ سرمایہ دارانہ طرزِ فکر اور نیو کلاسیکی نظریۂ معاشیات کے زیر اثر، افراد کا مطمحِ نظر بیش از بیش نفع کمانا ہے۔ ان کے لیے یہ نامناسب خیال کیا جاتا، ناممکن کہ وہ کاروباری فیصلے کرتے وقت سماجی عدل اور معاشرہ کی فلاح و بہبود کو بھی سامنے رکھیں۔ چنانچہ انفرادی فیصلوں کے منفی اثرات سے اجتماعی مفاد کو بچانے کی ذمہ داری ریاست کے سر آتی ہے جو خاص طور پر فنانس کے عمل کو یک گونہ منضبط کرنے کی کوشش کر تی ہے۔ مگر سرمائے دارانہ فلسفہ اور اس کے تابع علمِ معاشیات ریاستی ضابطہ بندی کی، بالعموم ہمّت شکنی کرتا ہے۔ گزشتہ چند دہائیوں میں اس فکر کے نقصانات سے آ گاہی بڑھی ہے اور متعدد ایسی تحریکوں نے جنم لیا ہے جو فنانس اور دوسرے کاروباری فیصلوں میں اجتماعی مفاد کی رعایت اور اخلاقی قدروں کے التزام کی تاکید کرتی ہیں، مثلاً اخلاقی سرمایہ کاری Ethical investment اور سماجی ذمہ داری کی حامل سرمایہ کاری Socially responsible investment(SRI)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سلسلہ میں انسانی تاریخ کا مطالعہ بہت سبق آموز ہو گا مگر افسوس کہ ہم اس مقالہ میں اس کا حق نہیں ادا کرسکتے، البتہ دو باتیں نوٹ کرنا مفید ہو گا۔ تاریخ کا ایک سبق یہ ہے کہ اقتصادی ترقی بڑی حد تک وسیع پیمانہ پر مالیات کی فراہمی اور اعلیٰ کارکردگی والی مالی وساطت پر منحصر رہی ہے۔ تاریخ کے جن ادوار میں ایسا نہ ہو سکا ان ادوار میں اقتصادی ترقی ایک حد پر آکر رک گئی۔ زرعی معاشرے اور اس کی قدرے ترقی یافتہ شکل، جاگیردارانہ معاشرے اس حقیقت پر شاہد ہیں۔

دوسرا سبق یہ ہے کہ غیر عادلانہ اور احسان سے عاری مالیاتی نظام پر مبنی اقتصادی ترقی بالآخر انسانیت کے لیے وبال بن گئی۔ پچھلے زمانوں کے تجارتی معاشرے اس پر گواہ ہیں۔ جن تجارتی معاشروں میں مالیات کی فراہمی زیادہ تر سودی قرضوں کی شکل میں رہی وہ اس سے کم عرصہ پنپ سکے جتنے عرصہ شرکت اور مضاربت وغیرہ پر مبنی مالیات کے سہارے چلنے والے نظام قائم رہے، جیسا کہ بارہویں تا چودہویں صدی عیسوی میں بحر روم کے چاروں طرف بسنے والوں کی درمیانی تجارت کا حال تھا۔(۳)

اسلامی تاریخ میں مالیات کا نظام

ساتویں تا دسویں صدی عیسوی یعنی اسلامی تاریخ کی چار ابتدائی صدیوں میں انسانی معیشت زرعی، صنعتی اور تجارتی، تین دائروں میں تقسیم کی جا سکتی ہے۔ ان دائروں میں مصروف کاروبار افراد کو حسبِ ضرورت مالیات کی فراہمی وہ لوگ کرتے تھے جن کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ دولت تھی اور وہ اس کے ذریعہ مزید دولت کمانا چاہتے تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ان لوگوں اور کاروباری افراد کے درمیان معاملہ درج ذیل بنیادوں پر عمل میں آتا تھا۔

سلَم، یعنی زرعی پیداوار کی پیشگی خریداری۔

استصناع، یعنی صنعتی پیداوار کی پیشگی خریداری۔

قرض، یعنی کسی مدّت کے لیے نقد رقم کی فراہمی۔

شرکت۔

مضاربت۔

مزارعت اور مساقات۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجارہ، یعنی بعض عواملِ پیداوار [مثلاً زمین، باربرداری اور سینچائی میں کام آنے والے جانوروں] کے کرایہ پر دیے جانے کا رواج۔

ادھار، یعنی مطلوبہ چیزوں کی ادھار فراہمی۔

تجارتی کریڈٹ trade credit جو غالبًا تمویل financing کی قدیم ترین شکلوں میں سے ہے۔

مذکورہ بالا ادھار اور تجارتی کریڈٹ میں فرق یہ ہے کہ موخر الذکر معاملہ سامان کے بڑے پیمانہ پر بنانے والے یا تھوک فروش تاجروں اور عام تاجروں کے درمیان ہی معروف رہا ہے، جب کہ ادھار فراہمی صارفین اور کاروباری دونوں کو میسر رہی ہے۔ مطلوبہ چیزوں کی ادھار فراہمی کے بارہ میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا گیا کہ ادھار دام اس سے زیادہ ہوں جتنے نقد کے عوض فروخت میں لیے جاتے ہوں۔ اس قدیم رواج پر نبی ﷺ سے کوئی نکیر نہیں مروی، بلکہ اس بات کو کہ آپ کی نظروں کے سامنے یہ طریقہ بلا روک ٹوک جاری رہا بجا طور پر آپ کی تصویب پر محمول کیا گیا ہے۔ بعض محققین کے خیال میں اس موقف کے طفیل سودی لین دین سے اجتناب نے اسلامی مملکتوں میں تجارتی پھیلاؤ پر کوئی برا اثر نہیں ڈالا۔ ان کے نزدیک ادھار قیمت اور نقد دام کا درمیانی فرق اقتصادی اعتبار سے وہی کام کرتا ہے جو سود کرتا ہے یعنی: 'ادھار دینے والے کو اس سودے سے وابستہ خطر risk کا معاوضہ اور جتنے عرصہ وہ اپنے سرمایہ سے محروم رہا اس کی تلافی۔(۴)

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا، سلم، استصناع، مضاربت وغیرہ کو بھی کریڈٹ سپلائی کرنے کے طریقے قرار دیا جا سکتا ہے، کیوں کہ کریڈٹ کی اصطلاح صرف (سودی یا غیر سودی) قرض کے لیے مخصوص نہیں۔ علماءِ معاشیات اس کا اطلاق ان تمام طریقوں پر کرتے ہیں جن سے طلب گار صارف یا کاروباری کو مطلوبہ اجناس اور وسائل حاصل ہو سکیں، قطعِ نظر اس کے کہ یہ حصول کن شرائط پر ہوتا ہے۔

ان معاملات کے ساتھ ساتھ جعالہ، وکالہ، کفالہ، حوالہ، ودیعہ، امانہ، رہن، ابضاع وغیرہ معاملات بھی کام میں لائے جاتے رہے ہیں۔ یہاں ان معاملات یا عقود (contracts) کی تفصیلات میں جانا ضروری نہیں۔ مناسب کتابوں کی مدد سے انھیں بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ ان ساری شکلوں میں یہ بات مشترک ہے کہ ان میں سے ایک یا متعدد معاملات کے ذریعہ، بالآخر، کاروباری فرد کو پیداواری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمل کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے درکار وسائل مل جاتے ہیں اس سے پہلے کہ وہ اپنی پیداوار کو فروخت کر کے ان وسائل کے دام ادا کرسکنے پر قادر ہو۔ جیسا کہ آگے ذکر کیا جائے گا، بیعانہ (عربون) بھی عملِ تمویل کی ایک شکل بن جاتی ہے۔ حدیث نبوی ﷺ میں بیع العربون کی ممانعت اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ معاملہ بھی قدیم سے رائج تھا۔(۵)

نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ سب براہ راست مالیات کی شکلیں ہیں، البتہ وقت گزرنے کے ساتھ تاریخی مراجع المضارب یُضارب [مضاربت پر مال حاصل کرنے والے کا اسی مال کو کسی اور کو مضاربت پر فراہم کرنا] کا ذکر کرنے لگتے ہیں، جو بالواسطہ فنانس کی ایک شکل ہے۔ ہمارے علم کی حد تک فقہ کی کتابوں میں اس کا ذکر پہلی بار پانچویں صدی ہجری۔ گیارہویں صدی عیسوی میں آیا ہے۔(۶)۔ البتہ ایک جزئ مسئلہ کے طور پر اس بات کا ذکر فقہی مراجع میں شروع ہی سے ملتا ہے کہ اگر صاحبِ سرمایہ اجازت دے تو مضارب اس کے دیے ہوئے سرمایہ کو کسی اور کو مضاربت پر دے سکتاہے۔ تحقیق طلب بات یہ ہے کہ ایک پیشہ یا مستقل بالذات کاروبار کے طور پر المضارب یُضارب کا چلن کب عام ہوا۔ مذکورہ بالا دوسرے اسالیبِ تمویل، سلم، استصناع، مزارعت، وغیرہ کو حسبِ ضرورت ایک ساتھ بھی اختیار کیا جاتا رہا ہو گا اور اس مرکّب عمل کے نتیجہ میں مالی وساطت اور بالواسطہ تمویل کی نئی نئی شکلیں وجود میں آتی ہوں گی۔ امید ہے مزید تاریخی تحقیق سے صورتِ حال واضح ہو سکے گی۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ قرون اولیٰ میں رائج ان اسالیب تمویل اور اس خطر اور عدم تیقّن risk and uncertainty کے درمیان کیا رشتے ہیں جو پیداواری کاروبار کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اس جائزہ کے بعد ہی ہم ان اصلاحات کو سمجھ سکیں گے جو اسلام نے ان اسالیب تمویل کی قبلِ اسلام رائج شکلوں میں کی تھیں۔ واضح رہے کہ جہاں تک کسی اسلوب تمویل کی قدر و قیمت کا سوال ہے تو اس کے دو پہلو ہیں: کارکردگی efficiency اور انصاف پسندی fairness ۔ اسلام نے قبل از اسلام جاری اسالیب تمویل میں جو اصلاحات کی ہیں ان کا منشاء انھی دونوں پہلوؤں سے بہتری پیدا کرنا تھا۔ البتہ اسلام نے عدل کو کارکردگی پر مقدم رکھا اور ضرورت پڑنے پر قیام عدل کی خاطر کارکردگی میں کسی قدر کمی بھی گوارا کرلی۔

مذکورہ بالا اسالیب میں سب سے بڑی اصلاح جو اسلام نے نافذ کی وہ قرض کی صورت میں سود کی حرمت ہے۔ اس تحریم کی حکمتوں پر خاصا لٹریچر موجود ہے۔ اس کی تکرار یا تلخیص کی بجائے ہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف یہ یاد دلاتے ہوئے آگے بڑھیں گے کہ ظلم دور کرکے انصاف قائم کرنا اور بہتر کارکردگی کی بجاآوری، دونوں ہی مقصود تھے۔(۷)

سلم کے بارے میں لازم کیا گیا کہ خریدی جانے والی جنس کی مقدار اور اس کی سپلائی کا وقت، دونوں معلوم اور متعین ہونے چاہئیں۔ یہی بات استصناع میں بھی ضروری ہے۔ اصولی بات یہ ہے کہ، جہاں تک ممکن ہو معاملات میں عدم تعیین اور جہالت (عدم علم) سے بچنا لازم ہے، کیونکہ اس سے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں، بلکہ ایسی صورت حال بھی سامنے آ سکتی ہے کہ معاملہ کا ہر فریق یہ سمجھے کہ اس پر ظلم ہوا ہے۔ اور چونکہ معاملہ کے دونوں فریقوں کے سامنے صورت حال واضح نہیں رہتی اس لیے وہ اطمینان سے معاملہ نہیں کرسکتے جس سے کارکردگی کم ہوسکتی ہے۔

شرکت کی مذکورہ بالا تمام شکلوں میں بھی اس بات کا اہتمام کیا گیا کہ حتی الامکان عدم تعیین اور عدم علم سے بچا جائے۔ جب معاملات پوری معلومات کی بنیاد پر کیے جائیں اور دام، سامان، اس کے اوصاف و غیرہ ضروری باتیں صاف طور پر متعین ہوں تو لوگ جی لگا کر کام کرتے ہیں اور کسی کو یہ خیال نہیں آتا کہ اس کی حق تلفی ہو رہی ہے۔ بالفاظِ دیگر، معاملات میں ابہام کارکردگی پر برا اثر ڈالتا ہے اور دل میں یہ شبہ پیدا کرتا ہے کہ کہیں مجھ پر ظلم تو نہیں کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ شرکت اور مضاربت میں یہ بات معلوم ہونا ضروری ہے کہ کس کی ملکیت کتنی ہے اور صاف طے ہونا چاہیے کہ مشترکہ ملکیت میں واقع ہونے والا اضافہ شرکاء کے درمیان کس نسبت سے تقسیم پائے گا۔ مکہ کے تجارتی ماحول میں تو شرکت اور مضاربت کی اہمیت زیادہ تھی مگر مدینہ میں زراعت کے بھی مواقع تھے چنانچہ مزارعت اور مساقات کا بھی بڑا چلن تھا۔ نبی کریم ﷺ سے متعدد حدیثیں مروی ہیں جن کا منشاء مضاربت، مزارعت اور مساقات کو ابہام، جہالت اور عدم تعیین سے پاک رکھنا اور منصفانہ بنیادوں پر استوار کرنا تھا۔ اس مقالہ میں ان تفصیلات میں جانا ضروری نہیں، ان کا مطالعہ مناسب کتابوں کی مدد سے بآسانی ممکن ہے۔ البتہ یہ حقیقت ہمیشہ سامنے رہنی چاہیے کہ اس بات کی گارنٹی ناممکن ہے کہ کسی مخصوص طریقہءِ تمویل کو کبھی بھی استحصال اور ظلم کے لیے نہیں استعمال کیا جا سکے گا۔ نبی کریم ﷺ نے خریدار کی مجبوری اور شدتِ احتیاج سے بیجا فائدہ اٹھانے سے منع کیا ہے(۸)۔ آپ نے نیت کی پاکی اور ارادہ نیک ہونے کو صحیح اسلامی طریقہ کی بنیاد قرار دیا ہے(۹)۔ اب اگر کوئی شاطر ان تمام حدود کو پھلانگ کر غیر عادلانہ طریقے اختیار کرے تو حکومت کی مداخلت اور قانونی ضابطہ بندی ضروری ہو جائے گی۔ چنانچہ اسلامی تاریخ میں غیر عادلانہ شرائط پر شرکت، مضاربت، مزارعت، سلم، استصناع، اجارہ وغیرہ عقود کی ضابطہ بندی اور حکومتی نگرانی کی متعدد مثالیں ملتی ہیں(۱۰)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرایہ پر دینے کا رواج باربرداری کے جانوروں، رہائشی مکانات اور بعض حالات میں زمین کے سلسلہ میں تھا۔ زرعی اغراض کے لیے متعینہ کرایہ پر زمین دینے کا معاملہ مختلف فیہ ہے۔ مگر جہاں کرایہ پر دینا جائز ہے وہاں کرائے اور مدت کے بارے میں بات صاف ہونی چاہئے۔ جن محققین کے نزدیک نبی ﷺ نے متعینہ کرائے پر کھیتی کے لیے زمین دینے لینے سے منع کیا ہے ان کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے، مثلاً بارش نہ ہونے کے سبب، پیداوار نہ ہو تو زمین کا کرایہ لینا ظلم ہو گا (کیونکہ زمین خود سے کچھ نہیں پیدا کرتی)۔ مزید برآں کاشت کار پیداوار نہ ہونے کی حالت میں بھی کرایہ ادا کرنے کی ذمہ داری کے سبب زمین کے استعمال سے احتراز کریں گے جس کا اثر کارکردگی پر پڑے گا۔ اس مقالہ میں ہماری نظر اس بات پر ہے کہ تمویل کے دوسرے اسالیب کی طرح کرائے پر عوامل پیداوار کی فراہمی کو جن ضوابط کا پابند بنایا گیا ہے ان کا ہدف بھی عدل کا قیام اور کارکردگی میں اضافہ ہے۔

پیداآور کاروبار کی تنظیم میں خام مال یا عوامل پیداوار کو ادھار لینے میں اس بات کا لحاظ ضروری سمجھا گیا کہ دام اور اس کی ادائیگی کا وقت صاف طور پر طے ہو۔ تجارتی ادھار، جس کا رواج تھوک فروشوں اور خردہ فروشوں کے درمیان رہا ہے، اس میں بھی یہی شرط ہے۔ رہی یہ بات کہ یہ دام کتنا ہو تو اسے طرفین کی رضامندی پر منحصر قرار دیا گیا ہے۔

مالیات کے اس وقت مروّجہ طریقوں میں اسلامی اصلاحات میں اس بات کا بھی اہتمام ہے کہ غرر سے بچا جائے۔ غرر وہ خطر risk ہے جو معلومات کی کمی یا ماحول پر قابو نہ ہونے کے سبب درپیش ہو۔ معلومات کا یہ نقص یا فقدان زیر معاملہ چیز کی نوعیت، مقدار، قیمت، ادائیگی کے وقت مال کی فراہمی کے وقت، وغیرہ سے متعلق ہو سکتا ہے۔ اس نقص یا فقدان کی وجہ سے فریقین میں سے کسی کے حق میں خسارہ کا احتمال بڑھ جاتا ہے۔ ایسی صورت میں کوئی معاملہ کرنا اکثر اوقات کسی فریق معاملہ کے ساتھ ظلم پر منتج ہوتا ہے۔ چوں کہ زیادہ تر معاشی معاملات کی پشت پر مستقبل کے بارے میں اندازے ہوتے ہیں لہذا کچھ نہ کچھ غرر اکثر موجود رہتا ہے۔ اگر وہ تھوڑا ہو اور اس خطر انگیزی کے نتیجہ میں رونما ہونے والا نقصان (یا نفع) بھی تھوڑا ہو تو اس کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ مگر غررِ کثیر کی صورت میں معاملہ کرنے کی اجازت نہیں۔ اس اصول کا تعلق اس غرر سے ہے جو حقیقی اشیاء اور خدمات کے لین دین سے اس طرح چپکا ہوا ہو کہ اس سے مفر نہ ہو۔ رہا غرر محض، یا خالص غرر جس کا کسی حقیقی لین دین سے کوئی تعلق نہ ہو بلکہ اسے اس لیے وجود میں لایا گیا ہو کہ اس پر بازی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لگائی جائے تو وہ جوا ہے جسے حرام کیا گیا ہے۔ جوا، قمار یا قرآنی اصطلاح میں میسر کوئی پیداوری عمل نہیں۔ بالفاظ دیگر وہ ایک zero sum game ہے جو صرف ادھر کی دولت ادھر کر تا ہے، دولت میں کوئی اضافہ نہیں کرتا۔

ان اصلاحات اور ضابطہ بندیوں کے پہلو بہ پہلو اسلامی اصلاحات کا ایک بڑا ہدف یہ رہا ہے کہ انسانوں کے مجموعی مصالح کا تحفظ کیا جائے۔ اجتماعی مفاد کے فروغ کو انفرادی مفادات کی ترویج پر مقدم رکھا جائے۔ چنانچہ اسلام نے بعض حالات میں تاجروں کو ایسے اقدامات سے بھی روک دیا جن کی انہیں عام طور پر اجازت تھی۔ تلقیِ جلب، یعنی آبادی سے باہر جا کر (بیشتر زرعی) سامان تجارت لے کر آنے والوں سے معاملہ کرنے کی کوشش کی ممانعت اور اشیاء خوردنی کی ذخیرہ اندوزی، یعنی احتکار، کی حرمت اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔(۱۱) مالیات کے میدان میں اس کی ایک مثال قرض اور بیع دونوں عقود کو ایک عقد میں جمع کرنے کی ممانعت ہے [......انّ رسول اللہ ﷺ قال: لا یحلّ سلفٌ و بیع......] (ترمذی: سنن، بیوع، ۹۱۔ باب ماجاء فی کراھیۃِ بیع ما لیس عندک۔ حدیث نمبر۱۲۳۴]

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا، عدل کے پہلو بہ پہلو احسان بھی اسلامی نظامِ حیات کا جزء ہے۔ انسانی زندگی کا توازن صرف عدل و انصاف پر قائم نہیں رہ سکتا کیوں کہ انسانی سماج میں کچھ کمزور و لاچار بھی ہوتے ہیں جن کے پاس دینے کے لیے کچھ نہیں ہوتا، پھر بھی وہ کچھ پانے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ مزید برآں ہمارا ماحول جس وسیع الاطراف عدم تیقّن کا شکار رہتا ہے (مثلاً: موسم کی تبدیلیاں، ذوقِ انسانی کا تلوّن، نئی تکنیکی دریافتیں اور سیاسی اتھل پتھل، وغیرہ، جن کی نہ کسی پر ذمہ داری ڈالی جاسکتی نہ کوئی ان پر قابو پا سکتا) ان کے عواقب سے اجتماعی طور پر عہدہ برآ ہونے کے لیے عدل کے ساتھ احسان کی آمیزش ضروری ہے۔ مالیات سے متعلق اسلامی ضوابط میں اس کی ایک مثال قرآنِ کریم کی یہ آیت ہے:

و ان کان ذو عسرۃٍ فنظرۃٌ الیٰ میسر ۃٍ و ان تصدّقوا خیرٌ لکم ان کنتم تعلمون. (سورۃ بقرہ:۲۸۰).

ترجمہ: تمھارا قرض دار تنگ دست ہو تو ہاتھ کھلنے تک اسے مہلت دو اور جو صدقہ کر دو تو یہ تمھارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم سمجھو۔

یہ اسلامی نظامِ مالیات اور سرمایہ دارانہ نظامِ مالیات کے درمیان ایک بڑا فرق ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام احسان کو تمام تر افراد کی صوابدید پر چھوڑ دیتا ہے، جب کہ اسلام انفرادی اور اجتماعی دونوں سطح پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسے اپنے نظام کا جزءِ لاینفک قرار دیتا ہے۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں قرض رقم معاف کردینے کو قرض خواہ کی صوابدید پر چھوڑا گیا ہے مگر مقروض کی تنگ دستی کی صورت میں اسے قرض رقم کی ادائیگی کے لیے مزید مہلت دینے کا حکم دیا گیا ہے جو کہ بذریعہِ عدالت قابلِ نفاذ ہے۔

یہ تھا ہمارا مختصر سا جائزہ اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور میں فنانس کی فراہمی کے مروجہ طریقوں کا اور اس بات کا کہ کس طرح اسلامی اصلاحات نے انھیں غیر منصفانہ اور کارکردگی کم کرنے والی باتوں سے پاک کیا، اورحسب ضرورت احسان کی آمیزش سے سنوار کر ایک مکارمِ اخلاق سے آراستہ انسانی معاشرہ کے لائق بنایا۔ ہم نے دیکھا کہ ایسا کرنے کے لیے معاملات کو دھوکہ، فریب اور، حتی الامکان، عدم معلومات اور عدم تعیین سے پاک کرنا ناگزیر سمجھا گیا۔ معاملات کے جواز کے لیے صرف فریقین کی رضامندی پر اکتفاء نہ کرتے ہوئے انھیں اجتماعی مصالح کی کسوٹی پر پرکھا گیا نیز اعلیٰ اخلاق سے مرصّع کرنے کی کوشش کی گئی۔ اگر کسی معاملہ کا تعلق صرف چند افراد سے نہیں بلکہ پورے سماج کے مفادات سے ہو تو اسے پبلک پالیسی کا مسئلہ قرار دیتے ہوئے اس سے متوقع نفع نقصان یا مصالح اور مفاسد کے موازنہ کو اس کی اجازت دینے یا اس سے منع کرنے کا معیار بنایا گیا، جیسا کہ احتکار اورتلقی جلب کی مثالوں سے واضح ہے۔

فنانس کی فراہمی کے پیچیدہ طریقوں کا رواج اور ان کی ضابطہ بندی:

معیشت کے پھیلاؤ اور ترقی کے ساتھ اسلامی سماج میں کچھ ایسے طریقے بھی رائج ہوئے جن کے عام چلن کا عہدِ نبوت میں ذکر نہیں ملتا۔ ان میں سے بعض درج ذیل ہیں(۱۲)

سفتجہ، صیرفہ اور جھبذہ، بیعانہ، جس کا ذکر عہد رسالت میں ملتا ہے، اس کا جائزہ بھی مذکورہ بالا طریقوں کے ساتھ لیا جائے گا۔

ان طریقوں کے اوصاف اور معاشی عمل function الگ الگ ہیں مگر ہمارے موضوع کی مناسبت سے ایک قدرِ مشترک یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعہ کاروبار چلانے کے لیے مال حاصل یا فراہم کیا جا سکتا ہے۔ تاریخی طور پر ان کی اہمیت یہ ہے کہ اسلامی علاقوں میں ان طریقوں کے رواج نے وہی کام کیا جس کے اٹلی اور دوسرے یورپین ممالک میں رواج کو بینکنگ کا آغاز قرار دیا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سفتجہ

سفتجہ ایک طرح کی ہنڈی کا نام ہے۔ مثال کے طور پر زید کا مال شہر الف میں ہے جس سے وہ شہر ب. میں کام لینا چاہتا ہے۔ عمر کے پاس شہر ب. میں (اسی جنس کا) مال موجود ہے۔ زید اپنا مال عمر کو دیتا ہے جو اسے ایک تحریر دیتا ہے جسے شہر ب. میں عمر کے آدمی کے سامنے پیش کرنے پر اسے مال مل جائے گا۔(۱۳) زید کو جو سہولت ملی اس کے ماسوا عمر کو اس مدت کے لیے جو مال کے ملنے اور ادائیگی کے درمیان گزرتی ہے (جو قدیم زمانہ میں خاصی لمبی بھی ہو سکتی تھی)، اتنا مال (اپنی ذمہ داری پر) نفع آور کاروبار کے لیے میسر آ گیا۔ بالفاظ دیگر جو سفتجے جاری کرنے کا کاروبار کرتا ہے وہ بآسانی فنانس کی فراہمی کا کاروبار بھی کر سکتا ہے۔ جیسا کہ آگے بتایا جائے گا، صراف، جن کا اصل کام صرف، یعنی ایک سکہ لے کر دوسرا سکہ دینا تھا، سفتجے بھی جاری کرنے لگے۔ اس طرح صیرفی اور سفتجے جاری کرنے والے چھوٹے موٹے بینکر بن کر ابھرے۔

بیع العربون

برصغیر میں یہ معاملہ 'بیعانہ' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ خریدار مطلوبہ مال کی خریداری مکمل کر لینے کی بجائے اس کی طے شدہ قیمت کا ایک چھوٹا سا حصہ صاحبِ مال کو دے دیتا ہے اور دونوں کے مابین ایک معیّن مدت طے پا جاتی ہے۔ اگر وقتِ مقررہ کے اندر خریدار باقی دام دے کر معاملہ مکمل کر لیتا ہے تو فبہا، ورنہ معاملہ منسوخ کرنے کی صورت میں خریدار کی دی ہوئی رقم صاحبِ مال رکھ لیتا ہے۔ اگرچہ اس کے بارے میں ایک حدیث روایت کی گئی ہے مگر اسے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔(۱۴) عربون کا تعلق فنانس سے یوں بنتا ہے کہ وسیع پیمانہ پر بیعانہ لے کر اثاثوں کی فروخت کرنے والے کاروباری کے پاس جو مال اس طرح اکٹھا ہوتا ہے اسے کاروبار میں لگایا جا سکتا ہے جب کہ اثاثے ابھی اسی کی ملکیت میں ہوں۔ نیز اگر بیعانہ دے کر حاصل ہونے والے حق خریداری کو دوسرے کو منتقل کیا جا سکے تو ایک نیا بازار بھی کھل جاتا ہے۔

صیرفہ اور جہبذہ

صرف کا اطلاق ایک قسم کے نقد، مثلاً درہم، کے دوسرے نقد، مثلاً دینار سے مبادلہ پر ہوتا ہے۔ اس کا ذکر حدیث میں آیا ہے، مگر صیرفہ سے مراد بڑے پیمانہ پر کیے جانے والے اس کاروبار سے ہے جو مختلف نقدوں کی ایک مقدار رکھ کر مبادلۂ نقود چاہنے والوں کو ان کا مطلوبہ نقد فراہم کرتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور اس عمل کے ذریعہ نفع کماتا ہے۔ اس کاروبار کا ذکر اسلامی مآخذ میں بعد کی تاریخوں میں تو ملتا ہے مگر عہدِ نبوّت میں مکہ، مدینہ میں یہ کاروبار عام ہو، اس کا کوئی دستاویزی ثبوت اس وقت میرے سامنے نہیں ہے، اگرچہ قیاس یہی ہے کہ ایسا ہوتا رہا ہوگا۔

صیرفہ کا تعلّق فنانس سے بالواسطہ ہے۔ صیرفی کے پاس مختلف نقود کی موجودگی اس کا امکان پیدا کرتی ہے کہ وہ طلب گاروں کو قرض دے سکے، یا کسی اور بنیاد پر ان کو فنانس فراہم کر سکے۔ نقود کے مبادلہ میں اگر صیرفی گاہک کو نقد فراہم کر دے مگر اس کے عوض جو نقد اسے ملنا تھا اسے ایک مدّت کے بعد لینا طے کرے تو یہ بھی قرض ہوا اور فنانس کی تعریف اس پر پوری اترتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہو جاتا ہے کہ نقد دے کر اس کے بدلے دوسرا نقد ایک مدت کے بعد طلب کیا جائے اور اس درمیانی مدت میں صیرفی اس رقم کو کاروبار میں لگا دے۔ تاریخی اعتبار سے بنک کاری کی شروعات میں صیرفہ کا بڑا دخل رہا ہے۔ اسلامی تاریخ میں اگرچہ جھبذہ اور صیرفہ کے کاروبار ایک دوسرے سے ملے جلے نظر آتے ہیں مگر ایک کا وجود دوسرے کے بغیر بھی ممکن ہے۔ اسلامی تاریخ میں جہابذہ کا ذکر عباسی دور میں ملتا ہے۔ اس کاروبار کی اہمیت اتنی بڑھی کہ ۹۱۳ء (۳۰۰ھ) میں خلیفہ نے اس کے لیے ایک الگ دفتر، دیوان الجہابذہ، کھول دیا۔(۱۵) رفتہ رفتہ سفتجہ جاری کرنے کا کام بھی جس کی شروعات صرافوں نے کی تھی، جہابذہ کے ہاتھ میں آگیا۔ سفاتج (جمع سفتجہ) کو صکوک (جمع صک) کے نام سے بھی جانا جاتا تھا۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، مالی معاملات، بالخصوص تمویل کے قدیم سے رائج طریقوں میں اسلامی اصلاحات کا مرکز توجہ دے رہا ہے: اوّلاً عدل و انصاف (جس میں حسبِ ضرورت احسان کی آمیزش ہو) اور ثانیاً کارکردگی۔ مذکورہ بالا نسبۃً پیچیدہ طریقوں کی ضابطہ بندی عہد نبوّت کے بعد عمل میں آئی، مگر ان ضابطوں میں بھی یہی روح کار فرما نظر آتی ہے۔ صرف، یعنی نقد کے نقد سے تبادلہ کے بارے میں مروی احادیث کا فوکس اس معاملہ کو اس ربا سے پاک رکھنا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ محققین بتاتے ہیں کہ صرف سے متعلق یہی ضوابط بہتر کارکردگی کے بھی ضامن ہیں(۱۶)۔ عام لین دین کو جن خرابیوں سے دور رکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے: ربا، قمار، غبنِ، اکراہ، بیع المضطر، احتکار، نجش [دام بڑھانے کے لیے (نیلام کے وقت) جھوٹی بولی بولنا]، غشّ [دھوکہ]، تدلیس [جھوٹی توصیف]، غرر، جہل مفضی الی النزاع، یعنی معلومات کی ایسی کمی جو جھگڑا پیدا کر سکتی ہو، اور ضرر و ضِرار (دانستہ نقصان پہنچانا)، ان سے دوسرے بازاروں کی طرح بازارتمویل کو بھی پاک رکھا گیا ہے، کیوں کہ انصاف اور اعلیٰ کارکردگی کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا۔ ساتھ ہی فنانس کے لین دین کو بعض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اضافی ضوابط کا بھی پابند بنایا گیا ہے۔ چنانچہ ایک ہی نقد کا (مثلاً سونے کا سونے سے، یا ڈالر کا ڈالر سے) مبادلہ برابر مقدار میں دست بدست ہونا چاہیے۔ نقد مختلف ہوں (مثلاً سونے کا چاندی سے یا ڈالر کا پاونڈ سے) تو مقداریں مختلف ہوسکتی ہیں مگر مبادلہ دست بدست ہونا چاہئے۔ یہ ضوابط احادیث سے ثابت ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ اضافی ضوابط اس لیے آئے کہ فنانس کے بازار میں معلومات اس سے زیادہ ناقص ہوتی ہیں جتنی ناقص کہ وہ اشیاء کے بازار میں ہوتی ہیں۔ اس کے نتیجہ میں اس بازار میں عدم تیقن اس سے زیادہ ہوتی ہے جتنی اشیاء کے بازار میں ہوا کرتی ہے۔ ناقص معلومات اور عدم تیقن دونوں مل کر وہ کیفیت پیدا کرتے ہیں جسے غرر کا نام دیا گیا ہے۔ البتہ جو بات غرر کو جہل سے ممتاز کرتی ہے وہ بے قابو ہونا lack of control ہے، یعنی جس معاملہ میں فریقین یا ان میں سے کسی ایک کو اس چیز پر قابو نہ ہو جس کا دینا اس کے ذمہ ہے (بیچنے والے کا اس چیز پر قابو نہ ہو جسے وہ فروخت کر رہا ہے اور یا خریدار کو اس چیز یا رقم پر قابو نہ ہو جو عوض کے طور پر دینا ہے) اسے غرر سے ملوث قرار دیا گیاہے۔ اگر یہ غرر قابل ازالہ نہ ہو تو اگر تھوڑا ہو تو معاملہ کیا جاسکتا ہے، زیادہ ہو تو معاملہ ممنوع قرار پاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ بات پیچیدہ ہے، فقہ میں اس پر خاصی بحثیں ملتی ہیں اور اس ضابطہ کی عملی تطبیق میں اختلاف رہتا ہے، جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں۔ مالیاتی لین دین کے اسلامی ضوابط عدل و انصاف کو ہدف بناتے ہیں۔ اگرچہ یہی ضوابط اعلیٰ کارکردگی کے بھی ضامن ہیں لیکن بعض حالات میں عدل قائم رکھنے کی خاطر کارکردگی میں ممکنہ کمی کو بھی گوارا رکھا گیا ہے۔(۱۷)

اس ضمن میں ان معاملات کا ذکر بھی ضروری ہے جو مالیاتی لین دین کے ساتھ مخصوص نہیں مگر ان سے ربط رکھتے ہیں اور مذکورہ بالا طریقوں کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں، جن میں سے بعض کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ حوالہ، کفالہ، ضمان، وعدہ، وغیرہ اسی قبیل کے عقود ہیں۔ ان کا استعمال غیرمالی امور میں بھی ہوتا رہتا ہے اور یہ سب قدیم سے رائج ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ ان کو مذکورہ بالا مالی معاملات کے ساتھ ملا کر نہ استعمال کیا جاتا رہا ہو۔ ایسی صورتوں میں بھی اس بات کا اہتمام ضروری تھا کہ معاملات کو ان خرابیوں سے، حتی الامکان پاک رکھا جائے جو ظلم پر منتج ہوتے ہوں اور کارکردگی میں کمی کا سبب بنتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں چند ضابطے اور نافذ کئے گئے: ایک معاملہ کے اندر دو معاملے (بیعتینِ فی بیع) نہ ہوں، بیع (خریدوفروخت) کے ساتھ شرط نہ لگی ہو، قیمت اور جس چیز کی قیمت دی جا رہی ہے دونوں نہ مؤخر ہوں (بیع الکالی بالکالی)، وغیرہ۔ اکثر صورتوں میں ان ممنوع معاملات کے ظلم اور کارکردگی میں کمی کا سبب یہ ہوتا ہے کہ ان سے عدم تعیین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا عدم علم میں اضافہ ہوتا ہے (جس سے جھگڑے پیدا ہو سکتے ہیں)، غرر بڑھتا ہے، غبن کا امکان بڑھتا ہے، وغیرہ۔ چنانچہ فقہاء نے لین دین کی ممنوعہ صورتوں (البیوع المنھی عنھا) پر گفتگو میں ان امور کی نشاندہی کی ہے۔(۱۸) ان تفصیلات کے آج مطالعہ کی بڑی اہمیت یہ ہے کہ جو معاملات الگ الگ بالکل ٹھیک اور شبہ سے بالا نظر آتے ہیں انھی معاملات کو ایک ساتھ ملانے سے بسا اوقات اس لیے منع کردیا جاتا ہے کہ وہ ربا کا ذریعہ بنتے نظر آتے ہیں، یا ایسے غرر پر مبنی ہو جاتے ہیں جن سے بچا جاسکتا ہو، یا غبن یا کسی اور طرح کے ظلم پر منتج ہو سکتے ہوں۔ یہ بھی وارد ہے کہ عقود کے جواز میں کوئی شبہہ نہ ہو لیکن (غالبًا حالات میں تبدیلی کی وجہ سے) نتیجہ مصالح کی میزان پر پورا نہ اترے۔ ظاہر ہے کہ زمان و مکان کی تبدیلی کے ساتھ معاملات کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں لیکن یہ اصول ہمیشہ سامنے رکھنا ہو گا کہ عام حالات میں، یا الگ الگ کئے جانے کی صورت میں، جو معاملات درست ہوں وہ بھی اس صورت میں قابل قبول نہیں رہ جاتے جب ان کے نتیجہ میں عدل و انصاف کی خلاف ورزی ہو رہی ہو، ظلم اور حق تلفی کا اندیشہ ہو اور مقاصدِ شریعت صراحۃً مجروح ہو رہے ہوں۔ چونکہ ان چیزوں کے ناپنے کے کوئی معروضی (objective) پیمانے ممکن نہیں اس لیے ان کے بارہ میں فقہاء کے درمیان کافی اختلاف پایا جاتا ہے، اس قسم کے اختلافات سے عہدہ برآ ہونے کے بارہ میں ہم پہلے گفتگو کر چکے ہیں(۱۹)۔ اس گفتگو کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ اس طرح کے مسائل میں بالآخر فیصلہ کا مدار مصالح پر ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ لگانا ہوگا کہ کسی معاملہ کے رواج سے کیا انفرادی اور اجتماعی مصالح وابستہ ہیں۔ اگر ساتھ ہی کچھ مفاسد بھی نمودار ہونے والے ہوں تو ان کا اندازہ کرکے متوقع منافع سے موازنہ کرنا ہو گا، اگر منافع کا پلہ بھاری ہو تو معاملہ کی اجازت دی جا سکتی ہے ورنہ نہیں۔ ہم نے یہ بھی واضح کیا تھا کہ ان مصالح اور مفاسد کی تشخیص اور ان کا اندازہ کرنے میں علم معاشیات کے علاوہ دوسرے عقلی اور تجربی علوم کا کام پڑے گا، نیز معاشیات میں جزئی (micro) کے ساتھ کلی (macro) تجزیہ درکار ہو گا۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی زمانہ میں کسی ملک میں کسی مالیاتی معاملہ کا عدل و انصاف یا ظلم و حق تلفی سے کیا تعلق ہے، اس کا کارکردگی اور پیداآوری productivity پرکیا اثر پڑتا ہے اور وہ مصالح عامہ نیز مقاصدِ شریعت سے کس قدر ہم آہنگ ہے، یہ بات گہرے تجزیاتی مطالعہ اور وسیع تجربی، میدانی، جانچ کے بعد ہی طے کی جا سکتی ہے۔

اسلامی تمویل کے باب میں نئے رجحانات

اب تک ہم نے مالیات کے میدان میں جن اسلامی اصلاحات کا ذکر کیا ہے وہ اسلامی تاریخ کی ابتدائی چار صدیوں میں کی جا چکی تھیں۔ اب ہم چودھویں صدی ہجری، بیسویں صدی عیسوی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی آخری چند دہائیوں میں تمویلِ کے شرعی اسالیب کی تلاش اور بازارِ مالیات کی اسلامی تنظیم کے بعض نتائج کا قدرے تفصیل سے مطالعہ کریں گے۔ بڑا اچھا ہوتا اگر اس کے پس منظر میں ہم درمیانی برسوں، یعنی پانچویں تا چودھویں صدی ہجری کے دوران اسلامی مالیات کے ارتقاء کا مطالعہ کر سکتے۔ یہ ایک ہزار برس اس لیے اہم ہیں کہ چودھویں صدی ہجری کی آخری دہائیوں میں تمویل کے شرعی اسالیب اور بازارِ مالیات کی اسلامی تنظیم جدید کی طرف جو توجہ ہوئی اور اس کے جن نتائج کا ہمیں اس مقالہ میں قدرے تفصیل سے مطالعہ کرنا ہے، ان کے اور اس سے پہلے کی پوری اسلامی تاریخ کے ارتقاء کو ایک تسلسل میں دیکھا جا سکے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ پچھلے ہزار برسوں کے بارے میں جو تاریخی مواد موجود بھی ہے اس کی خاطر خواہ تحقیق و تدقیق نہیں انجام پا سکی ہے۔ قلب اسلام میں خلافتِ عثمانیہ، مشرق میں اسلامی ہندوستان، بالخصوص مغل دور کے وثائق اور مغرب اقصیٰ کے نوازل اور فقہی لٹریچر میں جو خزانے دفن ہیں ان کا جائزہ یہ بتا سکتا ہے کہ (باوجود باب اجتہاد بند ہونے کے) بدلتے ہوئے حالات میں تمویل کے اسالیب میں کیا ارتقاء ہوا۔

یہ مختصر مقالہ اس بات کا متحمل نہیں کہ گزشتہ ہزار برسوں میں دنیا میں جو تبدیلیاں نمودار ہوئیں، ان کا مالیات کی رسد اور طلب اور اسالیب تمویل پر جو اثر پڑا ان کا جائزہ لیا جائے۔ اختصار کے ساتھ یہ نوٹ کیا جا سکتا ہے کہ ملکی، علاقائی اور بین الاقوامی تجارت میں غیر معمولی پھیلاؤ آیا تھا۔ شرق اوسط کے پس منظر میں اس تجارتی پھیلاؤ کی ریڑھ کی ہڈی ہندوستان کے ساتھ تجارت کو (جسے مورخین انڈیا ٹریڈ کے نام سے یاد کرتے ہیں، جب کہ انڈیا سے ان کی مراد موجودہ پاکستان، بنگلہ دیش اور برما سمیت پورا برصغیر ہوتا ہے) قرار دیا جاتا ہے جو بحر احمر سے ساترا تک پھیلی ہوئی تھی(۲۰)۔ خود یہ تجارت بحیرہ روم کی تجارت سے مربوط تھی۔ اس تجارتی عمل کا انحصار شرکتوں کے ایک وسیع الاطراف نظام پر تھا(۲۱)۔ بینکنگ کے کاروبار میں مسلمان بھی تھے، چنانچہ تیونس میں بینکنگ انہی کے ہاتھوں میں تھی(۲۲)۔ پانچویں اور چھٹی ہجری صدیوں کے لگ بھگ صک اور سفتجہ جیسے مالیاتی تمسکات کا چلن بڑھا۔ ان کے مبادلہ کی ضرورت بڑھی جس کی اجازت مختلف فقہاء نے مختلف شرطوں کے ساتھ دی۔

بعد کی صدیوں میں دو نئے اسالیبِ تمویل نمودار ہوئے: بیع الوفا اور وقف النقود۔ اوّل الذکر میں کسی چیز کی فروخت اس شرط پر عمل میں لائی جاتی تھی کہ جب فروخت کنندہ اس چیز کو واپس کرے تو اسے اپنے دیئے ہوئے دام واپس مل جائیں۔ ایک رہائشی مکان جو سال بھر خریدار کے پاس رہے اس سے اسے کرایہ کی آمدنی ہو سکتی تھی۔ سال بھر بعد اسے دی ہوئی رقم واپس مل جاتی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مکان اپنے مالک کو واپس چلا جاتا۔ اس طور پر مآل کار سال بھر کے لیے دی ہوئی رقم کے بالمقابل اضافی آمدنی ہوئی جیسا کہ سودی قرض دینے کی صورت میں ہوتا چلا آیا تھا، جسے اسلام نے حرام قرار دے کر روک دیا۔ چنانچہ اکثر فقہاء نے بیع الوفا کو نا جائز قرار دیا مگر کچھ نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا۔(۲۳) عثمانی دور کے مجلّہ عدلیہ میں ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارویں، انیسویں صدی عیسوی میں اس کا خاصا رواج تھا۔

کسی کارِ خیر کے لیے نقد رقم وقف کرنے والے چاہتے تھے کہ اصل سرمایہ محفوظ رہے اور اس کی سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والا منافع کارِخیر پر خرچ کیا جائے۔ اس غرض سے انھوں نے شرط عائد کی کہ سرمائے کو ایک معیّن فی صد نفع پر مضاربت پر دیا جائے۔ بعض فقہاء نے وقف کے فلاحی مقاصد کے پیش نظر اس کے اصل سرمایہ کو تحفظ دینے کے خیال سے اس کو جائز قرار دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں انہی فتوؤں کے حوالے سے وقف النقود کا چلن تجارتی اغراض کے لیے بھی قابل قبول ہو گیا۔(۲۴) بیع الوفا اور بیع النقود دونوں کا رواج زیادہ تر ترکی میں ہوا۔ دوسرے اسلامی علاقوں میں ان کے عام رواج کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔

اس مقالہ میں ہمیں تمویل کے ان دونوں طریقوں کے بارے میں فقہی اختلافات سے بحث نہیں، صرف یہ نوٹ کرنا ہے کہ بعض ضروریات کے تحت ایسی تمویل کو روا رکھا گیا جس سے ایک متعین فی صد شرح پر نفع مل سکے۔ اس کے پہلو بہ پہلو پہلے سے جاری دوسرے طرقِ تمویل بھی رائج رہے۔

تجارت، خاص طور پر بحری تجارت اور بین الاقوامی لین دین میں اضافہ کے ساتھ خطر کا سامنا کرنے کے لیے نئے طریقے اختیار کئے جانے لگے۔ ان میں سے اکثر طریقے باہمی تعاون پر مبنی تھے(۲۵)۔ چودھویں اور سترہویں عیسوی صدیوں کے درمیان ملابار کے ساحل پر واقع بندرگاہوں اور ساحلِ چین کے بعض مقامات کے مابین ایک صوفی گروہ نے بحری تجار کے درمیان تعاونِ باہمی پر مبنی انشورنس کا نظام اختیار کر رکھا تھا(۲۶)۔ تیرہویں صدی ہجری کے فقیہ، ابن عابدین شامی، نے انشورنس پر کلام کیا ہے(۲۷)۔ ہم اس کا ذکر اس لیے کر رہے ہیں کہ اس خطر اور عدم تیقن سے بھری دنیا میں انشورنس اور فنانس کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

دورِ جدید میں اسلامی فنانس کا احیاء

بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں مسلم اکثریت کے تقریباً سارے ممالک اجنبی اقتدار کے بوجھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تلے دبے ہوئے تھے۔ مگر ان ممالک میں نو آبادیاتی نظام سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تحریکیں بھی زور پکڑ رہی تھیں۔ آزادی کی جدو جہد کے ساتھ یہ بات بھی زیر بحث آئی کہ آزاد مسلم ملکوں کی معیشت کن اصولوں پر منظّم کی جائے؟ بیسویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائیوں میں پوری دنیا میں سرمایہ داری اور سوشلزم کا چرچا تھا۔ عام مفروضہ تھا کہ آئندہ آزاد ہونے والے ممالک کو بھی ان دو میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہو گا۔ چنانچہ ان ممالک میں بھی جن میں مسلمان اکثریت میں تھے یا ان کی تعداد بہت بڑی تھی، جیسے قبل تقسیم کا ہندوستان، دونوں نظاموں کی وکالت کرنے والے دانشور اپنی آوازیں بلند کر رہے تھے۔ اسی ماحول میں مشہور شاعر اور فلسفی علامہ اقبال نے، جنہیں معاشیات میں بھی کچھ درک حاصل تھا، یہ نعرہ لگایا کہ اسلام خود ایک معاشی نظام دیتا ہے جو سرمایہ داری اورسوشلزم کی بے اعتدالیوں سے پاک اور ان سے کہیں بہتر عدل اور خوش حالی کا ضامن ہو سکتا ہے۔ ساتھ ہی اسی زمانہ میں ابھرنے والی طاقت ور اسلامی تحریکوں نے بھی اسلام کے ایک جامع نظامِ حیات ہونے کا تصور دیا۔ ان تحریکوں نے سرمایہ داری اور سوشلزم، دونوں کو رد کرنے اور اسلامی نظامِ معیشت کو اختیار کرنے کی دعوت دی۔ اسی دعوت کے ذیل میں سود اور سود پر مبنی بینکنگ اور فناس کو رد کرنے اور اسلامی اصولوں پر مبنی سود سے پاک بینکنگ اور مالیاتی نظام پیش کرنے کی بات آگے بڑھی۔ اس بات کو آگے بڑھانے میں مسلمان دانش ور اور ماہرین اقتصادیات پیش پیش تھے۔ کچھ ابتدائی خاکے بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں سامنے آئے مگر سود سے پاک اسلامی بینکنگ اور فنانس کے تفصیلی نقشے اور ان کی تائید میں اقتصادی تجزیاتی لٹریچر پانچویں اور چھٹی دہائیوں میں سامنے آیا(۲۸)۔ اسی کے ساتھ ساٹھ کی دہائی میں غیر سودی مالیاتی اداروں کے قیام کے متعدد تجربے مصر، ملیشیا اور ہندوستان اور پاکستان میں کیے جاتے رہے، پھر ستر کی دہائی میں اسلامی بینکوں کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان کے ساتھ ہی اسلامی انشورنس کمپنیاں، اسلامی انوسٹمنٹ کمپنیاں، اور آگے چل کر اسلامک میچول فنڈ پوری دنیائے اسلام میں اور اس کے باہر بھی جگہ جگہ پھیل گئے۔(۲۹) آئندہ صفحات میں ہم دور جدید کے اسلامی فنانس کے ڈھانچہ اور نظریاتی نیز فقہی اساس پر روشنی ڈالیں گے۔

ابتداءً اسلامی بینکنگ کا ماڈل مضاربت در مضاربت پر مبنی تھا، یعنی عام لوگ اپنی بچتیں اسلامی بینکوں کو دیں تاکہ وہ ان کو کاروباریوں کو مضاربت پر دے کر نفع آور بنائیں اور اس طرح حاصل ہونے والے نفع کا ایک حصہ خود رکھیں باقی حصہ کھاتہ داروں کو دیں۔ اسلامی بینک اہلِ کاروبار کو نفع میں شرکت کی بنیاد پر سرمایہ فراہم کریں۔ رہا نقصان تو اسے سرمایہ میں واقع ہونے والی کمی قرار دے کر، بالآخر، کھاتہ داروں کے سر ڈالا جائے۔ مگر عملی تطبیق اس ترمیم کے ساتھ عمل میں آئی کہ اسلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بینک کھاتہ داروں سے مضاربت پر حاصل کردہ سرمایہ کے نفع آور بنانے کی تمام جائز شکلیں اختیار کرے۔ ان شکلوں میں براہ راست تجارتی کاروبار کرنا، صنعتیں چلانا، زمین، جائداد خرید کر انہیں کرائے پر چلانا وغیرہ شامل تھے۔ مگر جلد ہی زیادہ تر اسلامی بینکوں نے براہِ راست پر خطر کاروبار سے اجتناب کرتے ہوئے ایک ایسا طریقہ اختیار کر لیا جس میں نفع تقریباً یقینی ہو اور اس کی شرح پہلے سے معلوم رہے۔ یہ بیع المرابحہ للآمر بالشراء کا طریقہ تھا۔ گاہک کی فرمائش پر اسلامی بینک اس کا مطلوبہ سامان خریدتا اور اس سامان کو اپنی قیمتِ خرید پر ایک متعین شرحِ نفع کے اضافہ کے ساتھ اس گاہک کو ادھار دام پر فراہم کر دیتا۔ ساتھ ہی سلم، استصناع اور اجارہ کی مختلف سادہ اور مرکب شکلیں اختیار کی جانے لگیں، تاآنکہ بیسویں صدی کے آخری برسوں میں انہی مرکبات پر مبنی صکوک جاری کئے جانے لگے، جن کے اجراء نے اسلامی بینکنگ کو عام کرنے اور اسے عوام سے قریب تر کرنے میں بڑا حصہ لیا۔ چنانچہ اکیسویں صدی کی پہلی دہائی کے نصفِ اوّل تک دنیا میں کئی سو اسلامی مالیاتی ادارے تین سو بلین امریکی ڈالر سے زیادہ اثاثہ کے ساتھ کاروبار کرتے نظر آئے اور ان کے گاہکوں کی تعداد، ان کا جغرافیائی پھیلاؤ، نیز ان کی جانب سے پیش کی جانے والی مالیاتی خدمات میں مستقل اضافہ ہوتا جا رہا ہے(۳۰)۔ اسلامی بینکنگ کا آغاز اگر مسلمان دانشوروں، ماہرین معاشیات، فلسفیوں اور شاعروں کا مرہونِ منّت تھا تو اسے اس درجہ تک پہنچانے کا سہرا بیشتر اسلامی مالی ادارے قائم کرنے والے مسلمان اہلِ صنعت و تجارت اور ان کی مدد کرنے والے ان فقیہوں اور شریعہ محققین کے سر ہے جن کی خدمات بیسویں صدی کے ربع آخر سے آج تک اسلامی بینکوں کو حاصل رہی ہیں(۳۱)۔

بیسویں صدی کے ربع آخر کے، جن دنوں کہ اسلامک بینکنگ پر بڑے پیمانہ پر عمل شروع ہوا، اور اس سے پہلے کے لٹریچر میں، جب کہ اسلامک بینکنگ کا نظریہ تشکیل پا رہا تھا، ایک بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔ مؤخر الذکر میں اس بات کی کوشش نمایاں ہے کہ سود پر مبنی بینک جتنی مالیاتی خدمات پیش کر رہے ہوں ان کے بالمقابل، حتیٰ الامکان انہی جیسی خدمات اسلامی بینک بھی پیش کر سکیں۔ مرابحہ، اجارہ منتہیہ بالتملیک، متوازی سلم، صکوک (جن کے بطن میں بیع الدین بھی جائز ہو گیا) اور اب حال میں تورّق کے اضافہ نے آج کی اسلامک بینکنگ کو اس سے بہت مختلف بنا دیا جس کا چرچا بیسویں صدی کی پچاس اور ساٹھ کی دہائیوں میں سامنے آنے والے لٹریچر میں ملتا ہے۔ مناسب ہو گا کہ آگے بڑھنے سے پہلے اس بات کی گہرائیوں میں اترنے کی کوشش کی جائے۔

پہلے دور میں جن ماہرین معاشیات نے اسلامی بینکنگ کا نظریہ پیش کیا ان کی نظریں اسلامی نظام زندگی پر تھیں جس کے ایک جزء کے طور پر وہ سرمایہ دارانہ نظام بنک کاری سے مختلف، سود سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاک، بینکنگ لانا چاہتے تھے۔ ڈاکٹر انور اقبال قریشی، ڈاکٹر محمد عزیر، ڈاکٹر محمد عبد اللہ العربی، پروفیسر عیسیٰ عبدہ اور ڈاکٹر محمود ابوالسعود میں سے کسی کا اختصاص فقہ میں نہیں تھا۔ وہ سود کی حرمت پر ایمان رکھتے تھے، اپنے علمِ اقتصادیات کی روشنی میں اس لعنت کے تباہ کن نتائج بیان کرتے تھے اور جیسا کہ ڈاکٹر محمد عزیر نے اپنے ۱۹۵۵ میں شائع کردہ کتابچہ (۳۲) میں کیا، شرکت اور مضاربت کے اسلامی اصولوں کی بنیاد پر بینک کاری کا نیا نظام تجویز کرتے تھے۔ ان کے تیار کردہ لٹریچر کی بازگشت ان کوششوں میں زیادہ ملتی ہے جو پورے ملک کی سطح پر اسلامی بینکنگ اور فنانس لانا چاہتے تھے، یعنی پاکستان، ایران اور سوڈان۔ مگر خلیجی ممالک میں جو اسلامی بینک قائم ہوئے وہ نجی دائرے میں قائم ہوئے۔ یہ بینک مسلمان تاجروں اور اہلِ ثروت نے قائم کیے تھے۔ ان کا فوری مقصد حرام سے بچتے ہوئے اپنے سرمایہ کو نفع بخش بنانا تھا۔ ساتھ ہی ان کے پیش نظر ان مسلمان عوام کی مدد بھی تھی جو سودی بنکوں سے لین دین سے گریز کرتے تھے مگر اپنی بچتوں کے تحفظ اور ان کے نفع آور استعمال کے جائز طریقوں کے متلاشی تھے۔ اسلامی بینکنگ میں فقہاءِ کرام، یا جاری اصطلاح کے مطابق شریعہ محققین کا کام ان نجی بینکوں کے قیام اور عمل درآمد میں مدد دینا تھا۔ جیسا کی دبئی اسلامک بینک اور کویت فنانس ہاؤس کے مشیر کار اسکالرس کے دیے ہوئے فتاویٰ کے مطالعہ سے ظاہر ہے، ان کا مرکزِ توجہ جزئی امور تھے جن کو انھوں نے فقہ اسلامی کی فروعی تفصیلات کی روشنی میں حل کیا(۳۳)۔ وہ کلی امور جو اسلامک بینکنگ اور فنانس کے مذکورہ بالا روّادِ اوّلین pioneers کا مرکز توجہ تھے، ان کے ذکر سے فتاویٰ کے یہ مجموعے خالی ہیں۔ پاکستان، ایران اور سوڈان کے بعد جن ملکوں نے اسلامک بینکنگ اور فنانس کی طرف ملکی سطح پر توجہ کی، مثلاً ملیشیا، انڈونیشیا، بحرین اور متحدہ عرب امارات کی بعض ریاستیں، انھوں نے مختلف وجوہ سے خلیجی بینکوں کا طریقہ اختیار کیا نہ کہ ایران یا سوڈان کا۔ یہی ماڈل ان ملٹی نیشنل بینکنگ کارپوریشنوں کو بھی راس آیا جو گزشتہ صدی کی آخری دہائی میں اس میدان میں اترے تھے اور اب اس پر چھاتے جا رہے ہیں، مثلاً سٹی بینک اور ہانگ کانگ شانگھائی بینکنگ کارپوریشن۔

سود سے پاک، مگر جملہ تجارتی ضروریات کی تکمیل کر سکنے والی، بینکنگ کی اور مسلمان بچت کاروں کے لیے نفع آور سرمایہ کاری کے نسبۃً محفوظ طریقوں کی، تفصیلات مرتّب کرنا، اور اس سلسلہ میں ان اسلامی مالیاتی اداروں کو پیش آنے مسائل کو فقہ کی روشنی میں حل کرنا جو ستّر کی دہائی کے نصف ثانی میں خلیجی ممالک، مصر اور سوڈان میں قائم کیے گئے تھے کوئی معمولی کارنامہ نہیں تھا۔ اس کارنامہ کی عظمت کا ادراک لاکھوں صفحات پر پھیلے ہوئے اس نئے فقہی لٹریچر اور ان ہزارہا ہزار فتاویٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر ایک نظر ڈالنے سے ہو سکتا ہے جو عربی اور دوسری اسلامی زبانوں میں گزشتہ تیس سال میں سامنے آئے ہیں۔ مقالہ نگار کے محدود علم کے مطابق گزشتہ ایک ہزار سال میں تجارتی اور مالی معاملات کے ابواب میں اتنے بڑے پیمانہ پر فقہی سرگرمی کی کوئی دوسری مثال ملنی مشکل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سرگرمی نے پوری دنیائے اسلام میں علمی حرکت کی ایک نئی لہر دوڑا دی جس کے فیض سے دوسرے دینی علوم اور ان کی تدریس نیز دینی درس گاہیں سبھی مستفید ہوئے۔

معاصر مسلمان فقہاء اور اسلامی مالیاتی اداروں کی رہنمائی کرنے والے شریعہ محققین کی ان بے مثال خدمات کے اعتراف کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کا مرکزِ توجہ اسلامی مالیاتی اداروں کے روزمرہ مسائل رہے۔ یہ ان کلّی امور پر توجّہ نہیں مرکوز کرسکے جو اسلامی نظام کو سرمایہ دارانہ نظام سے اور ان دونوں نظاموں کے مالیاتی اداروں کو ایک دوسرے سے ممتاز کرتی ہیں۔ اسلام میں بینکنگ اور مالیات کو جن مقاصدِ شریعت کے حصول میں کلیدی کردار ادا کرنا چاہیے، جن کے ذکر سے اسلامی بینکوں کے قیام سے پہلے کا وہ لٹریچر بھرا پڑا ہے جو مسلمان ماہرین اقتصادیات اور دوسرے اہل فکر و قلم کے ذریعہ سامنے آیا تھا، ان مقاصدِ شریعت کی طرف رجوع کرکے فتویٰ دینے، یا اپنے بنائے ہوئے مجموعی خاکہ کو اس کسوٹی پر پرکھنے کا ان فقہاء اور شریعہ محققین کے درمیان چلن نہ ہو سکا۔ اس کے تاریخی اسباب کی تفصیل میں جانا اس مقالہ میں ممکن نہیں۔ مگر دو حقائق ایسے ہیں جو اس روش کو بدلنے کا تقاضا کرتے ہیں۔ پہلی حقیقت یہ ہے کہ معاملات کے باب میں خاص طور پر فقہ اسلامی کے ائمّہ، مثلاً ابوحنیفہ اور مالک بن انس کسی طریقہ پر صاد کرنے سے پہلے اس کے عواقب اور مآلِ کار پر ضرور نظر ڈالتے تھے۔ ان کا فیصلہ مصالح عامّہ کو سامنے رکھ کر ہوتا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ کے استحسان اور امام مالکؒ کے مصالحِ مرسلہ کی یہی نوعیّت تھی۔ صرف متعلقہ عقود کی سلامتی کسی ایسے طریقہ پر صاد کرنے کے لیے کافی نہیں جس کے مفسدہ کا پلّہ اس کی منفعت پر بھاری ہو۔ دوسری حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ تیس برسوں میں جزئی نظر اور روزمرہ مسائل کے حل پر مرکوز فتاویٰ نے آج اسلامک بینکنگ اور فنانس کو ایسی شکل دے دی ہے جو مآلِ کار اور اپنے عواقب کے اعتبار سے ہمیں وہیں پہنچا رہی ہے جہاں سودی قرضوں پر مبنی بینکنگ اور فنانس نے پوری انسانیت کو پہنچا رکھا ہے۔ اس مقالہ کے باقی صفحات میں اسی اجمال کی تفصیل پیش کرتے ہوئے اصلاحِ حال کی بعض تجاویز بھی پیش کی جائیں گی۔

آج کی دنیا میں کسی طریقِ سرمایہ کاری کے یا کسی مالیاتی عمل در آمد کے نتائج و عواقب کا اندازہ لگانے کے لیے جدید علوم و فنون، بالخصوص معاشیات کا علم ضروری ہے۔ قانون کی نظر فریقین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے درمیان عادلانہ معاملت پر ہوتی ہے۔ پورے معاشرہ کے فلاح و بہبود پر کیا اثر پڑتا ہے اور سرمایہ کاری کے باب میں اجتماعی فلاح و بہبود کے تقاضے کیا ہیں، اس کی تعیین قانون کے بس میں نہیں۔ قرض کی مثال پر غور کیجیے۔ قانون یہ دیکھے گا کہ قرض کا لین دین فریقین کی آزادانہ مرضی کا نتیجہ ہو، اس میں کسی دھوکہ دہی یا جبر و اکراہ کا کوئی دخل نہ ہو۔ رہا یہ سوال کہ کسی معاشرہ میں قرضوں کی مجموعی مقدار کا بڑھتا چلا جانا کیسا ہے، یا خود ملک کے اوپر بیرونی قرضوں کے بار میں اضافہ ہوتے چلا جانا کیسا ہے، تو ان سوالوں کے جواب قانون یا فقہی جزئیات کی روشنی میں نہیں دیے جا سکتے۔ اس کے لیے معاشی تجزیہ لازمی ہے۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ مسئلہ کے بعض سیاسی، سماجی اور نفسیاتی پہلوؤں کو بھی زیرِ بحث لانا ہوگا۔ جس چیز کو ہماری فقہ میں مصالح عامہ سے تعبیر کیا گیا ہے، جب مالی معاملات کی بات ہوگی تو ان مصالح سے مراد وہ اقتصادی، سیاسی اور سماجی نیز نفسیاتی اثرات ہیں جو ان معاملات کے نتیجہ میں پڑیں گے۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ ائمہ فقہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے آج بھی فقہاء اور شریعہ محققین کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی مالی معاملہ کے حق میں فتویٰ دیتے وقت اس معاملہ سے وابستہ مصالح اور مفاسد کا موازنہ کریں۔ ہماری دوسری عرض یہ ہے کہ یہ موازنہ روایتی دینی مدارس میں نہیں سکھایا جاتا، نہ ہی متعلقہ علوم دینی مدارس کے نصاب میں داخل ہیں، نہ ہر فقیہ کے لیے ان علوم پر مہارت حاصل کرنا ممکن ہے۔ علمی اختصاص کے اس دور میں یہ مسئلہ کیسے حل کیا جائے، یہ ایک الگ سوال ہے۔ مگر پہلے یہ طے کرنا ہوگا کہ صرف شرعی علوم پر عبور رکھنا اس زمانہ میں مالی معاملات کو مصالح اور مفاسد کی میزان پر تولنے کے لیے کافی نہیں ہو سکتا۔ نئے مالیاتی آلات و وسائل کو اسلامی تعلیمات کے معیار پر مقبول قرار دینا اور ان کے جواز اور رواج کو صاد کرنا مروجہ شریعہ محققین یا ان پر مشتمل شریعہ بورڈ کی استعداد و استطاعت سے باہر ہے۔ اس ضرورت کی تکمیل کے لیے کوئی اور طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔

کہا جا سکتا ہے کہ اگر امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے لیے مالی معاملات کو مصالح اور مفاسد کی میزان پر پرکھنا ممکن ہوا تو آج کے فقیہ کے لیے اسے کیوں ناممکن بتایا جا رہا ہے؟ اس کا جواب ہزار سال پہلے کی دنیا، بالخصوص معاشی دنیا، اور آج کی دنیا اور اس کے تجارتی اور مالیاتی حالات میں پائے جانے والے فرق میں ہے۔ ایک طرف تو معاشی معاملات نے اتنی پیچیدگی اختیار کر لی ہے کہ انھیں سمجھنے کے لیے علم معاشیات اور دوسرے علوم کا سہارا لینا ضروری ہے۔ دوسری طرف آج کے فقہاء کا دائرۂ علم و عمل اتنا وسیع نہیں رہا جیسا کہ ائمہ فقہ کا تھا۔

معاصر اسلامک فنانس نے گزشتہ صدی کی آخری دہائی کے اواخر سے اس صدی کی پہلی دہائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک، مرابحہ سے تورّق تک، جو سفر طے کیا ہے اس کا جملہ تفاصیل کے ساتھ تفصیلی محاکمہ ایک مقالہ کے حدود سے باہر ہے۔ خوش قسمتی سے اس سفر کے مختلف مراحل سے متعلق الگ الگ کافی لٹریچر موجود ہے(۳۴)۔ یہ لٹریچر زیادہ تر فقہی، جزئی زاویہ نگاہ کا آئینہ دار ہے۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر ہم ذیل میں ان مالیاتی آلات و وسائل کے فقہی، جزئی پہلو سے تعرض نہ کرتے ہوئے ان کے اس پہلو سے بحث کریں گے جو کلّی، مجموعی سطح پر ان سے وابستہ مصالح اور مفاسد سے متعلق ہے۔

مرابحہ، اجارہ منتہیہ بالتملیک، متوازی سلم، صکوک، عینہ اور تورّق سب میں ایک بات مشترک ہے: ان کے نتیجہ میں مقروضیت کی سندیں debt securities وجود میں آتی ہیں، اگرچہ ان سندات کی نوعیت میں فرق ہے۔ بعض حالات میں سند قرض کی پشت پر حقیقی اموال: زمین، جائداد، خام مال، مصنوعات یا زرعی اجناس وغیرہ موجود ہوتے ہیں اور بعض حالات میں ایسا نہیں ہوتا۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ جن اسناد قرض کی پشت پر حقیقی اموال نہ ہوں ان کا پھیلاؤ اور معیشت میں ان کے حجم میں اضافہ ہوتے جانا، مضر ہے۔ (قرضِ حسن، یا غیر سودی قرض اس سے اس لیے مستثنیٰ ہے کہ وہ وقتی اور عارضی ہوتا ہے اور اس کی سندات کی خرید فروخت غیر متصور ہے کیونکہ اس کارو بار میں نفع کا کوئی امکان نہیں)۔ ساتھ ہی ہماری رائے میں ایسی سنداتِ قرض سے جو فائدے متوقع ہو سکتے ہیں وہ انفرادی اور کم اہم ہیں۔ ان کے مقابلے میں اجتماعی سطح پر ہونے والا نقصان زیادہ اہم تر اور یقینی ہے۔ لہٰذا ان مالیاتی آلات اور طریقوں کو خلافِ اسلام قرار دیا جانا چاہیے جن کے نتیجہ میں ایسی سنداتِ قرض کا پھیلاؤ ہو جن کی پشت پر کوئی حقیقی اموال نہ ہوں۔ معاصر اسلامی مالیات میں اس کی مثال تورّق ہے، اگرچہ بعض دوسرے طریقے بھی اس نتیجہ تک پہنچا سکتے ہیں۔

تورّق

اسلامی فنانس کے معاصر عمل میں تورّق(۳۵) کا اضافہ نسبتاً نئی بات ہے۔ کچھ اسلامی بینک اور اسلامی مالیاتی ادارے اس طریقے سے طلب گاروں کو نقد فراہم کرنے لگے ہیں۔ تورّق کے طریقے سے کھاتہ داروں کو ایک متعین فی صد نفع دینے کا عہد بھی کیا جا سکتا ہے۔ متورّق، یعنی نقد کا طلب گار گاہک، بینک سے مال ادھار خریدتا ہے۔ پھر وہ اس مال کو ایک فریقِ ثالث کے ہاتھوں اپنی قیمت خرید سے کم دام پر فروخت کرکے نقد حاصل کر لیتا ہے۔ مآلِ کار گاہک کو نقد مل گیا جس کے عوض اسے ادھار کی طے شدہ مدّت ختم ہونے پر، اس سے بڑی رقم نقد واپس کرنا ہے۔ اسی طرح بینک کھاتہ دار سے کوئی چیز ادھار خریدتا ہے اور اس چیز کو فریقِ ثالث کے ہاتھوں اپنی قیمت خرید سے کم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دام پر فروخت کر کے نقد حاصل کر سکتا ہے۔ مآلِ کار کھاتہ دار کو، ادھار کی مدت پوری ہونے پر، جو نقد بینک سے واپس ملے گا وہ اس سے زیادہ ہو گا جو بینک کو اس کی دی ہوئی چیز کی فروخت سے ملا تھا۔ انجامِ کار تورّق کے طفیل اس پر عمل پیرا اسلامی بینک ایسے کھاتے کھولتے ہیں جن میں جمع رقوم کو مقررہ مدت کے بعد پہلے سے طے شدہ شرح کے ساتھ نفع دیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی وہ قرض کے طور پر نقد کے طلب گاروں کو مقررہ مدّت کے بعد طے شدہ شرح سے اضافہ کے ساتھ واپسی کے وعدہ پر قرض بھی دینے لگے ہیں۔ اسلامک بینک آف بریٹین تورّق پر عمل میں پیش پیش ہے(۳۶)۔ اس کا چلن سعودی عرب میں نیشنل کمرشل بینک نے شروع کیا تھا۔ ساتھ ہی کچھ دوسرے خلیجی اسلامی مالیاتی ادارے بھی تورّق پر عمل پیرا ہیں(۳۷)۔

ہر تورّق کے نتیجہ میں ایک نیا قرض جنم لیتا ہے۔ مزید برآں، تورّق کے پیدا کردہ قرض کی مقدار ہمیشہ اس نقد کی مقدار سے زیادہ ہوتی ہے جو متورّق کو ملا۔ چنانچہ مذکورہ بالا پہلی مثال میں طالبِ قرض گاہک کو اور دوسری مثال میں بینک کو جو نقد ہاتھ آیا وہ، لازماً اور دائماً، اس قرضے سے کم ہو گا جس کی بھگتان مقررہ مدت کے بعد کرنا ہے، پہلی مثال میں گاہک کو اور دوسری مثال میں بینک کو۔ آئندہ صفحات میں ہم ان دونوں وقائع، نئے قرض کے وجود میں آنے اور اس قرض کے اس کے ذریعہ ملنے والی نقد رقم سے زیادہ مقدار کا حامل ہونے، کے ان اثرات کا تجزیہ کریں گے جو معاشیاتِ کلّی کی سطح پر مرتّب ہوتے ہیں۔ لیکن تفصیلات میں جانے سے پہلے ایک لمحۂ فکریہ کے طور پر ان اسنادِ قرض کے ممکنہ انجام اور کردار پر نظر ڈالنا چاہتے ہیں جو تورّق پر عمل درآمد کے نتیجہ میں پیدا ہوں گی اور پھیلیں گی۔

چاہے آپ عام بازارِ مال financial market پر نظر ڈالیں یا اسلامی بازارِ مال پر، ان اسناد کا بارہا مبادلہ ہوتا ہے اور ظن وتخمین speculation پر مبنی ان متعدد سودوں کے طفیل ان کا ان حقیقی اموال اور سودوں سے کوئی تعلق باقی نہیں رہ جاتا جن سے آغازِ کار تعلق رہا ہو گا۔ ممکن ہے گاہک نے قرض کسی چیز کو خرید کر کاروبار میں لگانے کے لیے لیا ہو، یا بینک نے کھاتہ دار کے ذریعہ ملی رقم کسی ایسے کو دی ہو جو اسے پیداآور کاروبار میں لگائے۔ مگر اسنادِ قرض کے بازار میں یہ باتیں تاریخِ پارینہ بن کر رہ جاتی ہیں۔ اس بازار میں لین دین کے نتیجہ میں سند پر سند جاری کرنے کا سلسلہ دراز ہوتا جاتا ہے، تاآنکہ ہمارے سامنے مالی آلات financial instruments کا ایک ہرمِ معکوس inverted pyramid کھڑا نظر آتا ہے جس کی جڑ، بنیاد ضرور حقیقی اثاثوں سے بنی ہوتی ہے لیکن باقی ساری عمارت کاغذی ہوتی ہے۔ نفع کمانے کی ... کی آماجگاہ اب بازارِ زر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

money market ہے نہ کہ بازارِ حقیقی real market۔ اس بازار کے انداز اور آداب، اس کے اندر طے پانے والی قیمتوں کے اشارے اور ان اشاروں کی اقتصادی اہمیت، اس سے بہت مختلف ہوتی ہے جو کہ بازارِ حقیقی میں ہوتی ہے۔

انسانی معیشت میں قرضوں کا کردار

معیشت میں قرض کے اضافہ کا اثر اس پر منحصر ہے کہ اس کا مصرف اور نتیجہ کیا رہا۔ محض اضافۂ قرض مجموعی سماجی دولت میں اضافہ کے ہم معنیٰ نہیں ہے۔ اگر لیے گئے قرض کو پیداوارِ دولت کے لیے استعمال کیا گیا تو نتیجہ تین میں سے ایک ہو گا۔ قرض کے پیداآور استعمال کے نتیجہ میں وجود میں آنے والی نئی دولت، زر میں ناپنے پر، یا تو مقدار میں قرض کے برابر ہو گی، یا کم یا زیادہ۔ صرف آخری صورت میں اضافۂ قرض کو ایک مفید سماجی عمل قرار دیا جا سکے گا۔ پہلی صورت میں سماج نے کچھ نہیں کھویا لیکن دوسری صورت میں، جب کہ قرض لی ہوئی رقم کے پیداآور استعمال سے وجود میں آنے والی دولت کی مقدار اس عمل میں استعمال شدہ دولت سے کم ہو، سماج کی مجموعی دولت میں کمی واقع ہو گی۔ رہا قرض دار تو اسے اپنی سابقہ دولت میں سے کچھ ملا کر قرض لی ہوئی رقم کا بھگتان کرنا ہو گا۔ یعنی اس صورت میں فائدہ صرف قرض دینے والوں کو ہو گا جن کے حصہ میں سابق سے موجود دولت کا پہلے سے زیادہ جزء آئے گا۔

مذکورہ بالا نتیجہ خلافِ عدل ہے۔ جس ماحول میں پیداواری عمل انجام پاتا ہے وہ انسان کو اس کی گارنٹی نہیں دیتا کہ جو دولت پیداواری عمل میں لگائی جائے گی وہ لازماً اور دائماً اپنی مقدار سے بڑھی ہوئی مقدار میں دولت پیدا کرے گی۔ جب ایسا ہے تو پیداواری سرمایہ فراہم کرنے والے کو اس کے سرمایہ کی اضافہ کے ساتھ واپسی کی گارنٹی کا کوئی جواز نہیں۔

ساتھ ہی قرض کے ذریعہ پیداواری عمل کی تنظیم ناکارہ، یعنی کارکردگی کے معیار پر فروتر قرار پاتی ہے۔ اعلیٰ کارکردگی مطلوب ہو تو سرمایہ اس منصوبۂ عمل project میں لگنا چاہئے جس کی متوقّع پیداآوری سب سے زیادہ ہو، جس میں سرمایہ لگانے سے اس سے زیادہ شرح نفع کی امید ہو جو دوسرے ممکن اور میسّر منصوبہ سے وابستہ ہو۔ مگر قرض دینے والے کا مرکزِ توجہ قرض کے طلب گار کی مالی ساکھ اور پہلے سے موجود قوتِ ادائیگی ہے۔ اگر یہ قابل بھروسہ ہے تو اس کے دیئے ہوئے قرض کی ادائیگی یقینی ہے۔ قرض ساکھ creditworthiness کے اعتبار سے ملتا ہے، جس منصوبہ کو اس کے ذریعہ فنانس ہونا ہے وہ صرف ثانوی درجہ پر سامنے رکھا جاتا ہے، کیونکہ منصوبہ کی ناکامی کا قرض کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قانوناً واجب الادا ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جس معیشت میں قرض کے ذریعہ تمویل debt financing کا دور دورہ ہو اس میں پیداواری سرمایہ کا استعمال فروتر کار کردگی، یعنی ناکارکردگی، کا شکار ہوگا۔اچھے اچھے پیداواری منصوبے سرمایہ نہ ملنے کے سبب دھرے رہ جائیں گے کیونکہ ان کے حاملین اونچی مالی ساکھ سے محروم تھے، جب کہ نالائقوں کو، جن کے پاس سابقہ دولت کے سبب اونچی مالی ساکھ ہو، بآسانی سرمایہ مل جائے گا۔ یہ عام مشاہدہ کی بات ہے کہ قدرت نے ذہانت وفطانت کی تقسیم، جن پر کاروباری تنظیم میں اعلیٰ کاکردگی اور اچھے اچھے منصوبہ سامنے لانے کا مدار ہے، سابقہ دولت کی ملکیت اور مالی ساکھ پر مبنی نہیں رکھی ہے۔

تمویل بالقرض کے ان دونوں نقائص، غیر عادلانہ ہونے اور فروتر کار کردگی دکھانے، کو اسلامی مالیات پر لکھنے والوں نے بخوبی واضح کر دیا ہے اس لیے اس مقالہ میں مزید تفصیل کی ضرورت نہیں(۳۸)۔ البتہ تاکید کے طور پر ایک بات کا ذکر مناسب ہو گا۔ مستقبل میں زیادہ مقدار واپس کرنے کے وعدہ پر حال میں کوئی نقد رقم دینا عدل و انصاف کے منافی اس لیے ہے کہ عدم تیقّن آنے والے وقت کا خاصہ ہے۔ جو وقت مقروض کو ملا اس میں کسی پیداواری عمل کے لیے ضروری ہے کہ قرض لی ہوئی رقم کو اشیاء اور خدمات، خام مال وغیرہ میں بدلا جائے۔ پھر پیداواری عمل کی تکمیل پر منتوجات یا مصنوعات کو فروخت کرنا ہو گا تب نقد ملے گا جس کے ذریعہ قرض دینے والے کو ادائیگی ممکن ہو سکے گی۔ مگر اس کی کوئی گارنٹی نہیں کہ یہ نقد اس نقد سے زیادہ ہو جو قرض لیا گیا تھا۔

جس معیشت میں تمویل بالقرض کا دور دورہ ہو اس میں بازارِ قرض وجود میں آ ہی جاتا ہے۔ کسی قرض کے نتیجہ میں جو سند وجود میں آتی ہے اس کی مدتِ عمر قرض کی ادائیگی تک ہے۔ مگر کوئی وجہ نہیں کہ قرض دینے والے اس عرصہ سند کو بے مصرف رکھیں۔سنداتِ قرض کے پرانے استعمالات کے علاوہ مالیاتی اپج financial innovation کے اس دور میں ان سندات سے استفادہ کی نئی نئی شکلیں نکالی جا رہی ہیں(۳۹)۔ خلاصہ یہ کہ سنداتِ قرض کے ممکنہ استعمالات کی بنا پر ان کی طلب پیدا ہوتی ہے، طلب اور رسد کے تعامل سے دام طے پاتے ہیں، اس طرح بازارِ قرض گرم ہوتا ہے۔ معیشت کی ترقی کے ساتھ بازارِ قرض میں بھی وسعت آتی ہے اور سنداتِ قرض کی طلب میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ ہر بازار کی طرح بازار قرض میں بھی ظن وتخمین speculation کا چلن عام ہے مگر اس بازار میں سٹہ بازی کے ڈانڈے جوئے بازی سے جا ملتے ہیں(۴۰)۔ اس کا سبب قرض پر مبنی تمسکات کی مخصوص نوعیت ہے۔ ظن وتخمین پر مبنی سٹہ بازاری کا چلن بازارِ اشیاء و خدمات میں بھی ممکن ہے مگر وہاں اس ظن وتخمین کے لیے کچھ معروضی بنیادیں موجود ہوتی ہیں مثلاً اشیاء کے اسٹاک، درآمد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونے والی اشیاء کے لیے دیے گئے آرڈر، متعلقہ خدمات کے اہل کارکنان کی تیاری میں مصروف اداروں میں داخلے وغیرہ۔ مزید برآں اشیاء اور خدمات میں لا تعداد اکائیاں ایک معیار کی حامل ہوتی ہیں۔ مگر سندات قرض میں اس طرح کا standardization شاذ و نادر ہی ممکن ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ سند قرض وہی معتبر ہے جس میں درج قرض کی واپسی پر بھروسہ کیا جاسکے۔ کسی قرض یا اس کی سند کی وقعت قرض لینے والے کی ساکھ، قرض لی ہوئی رقم کے استعمال کی جہت، وقت ادائیگی، مقام ادائیگی، وغیرہ متعدد ایسے عوامل سے متعین ہوتی ہے جن کے بارے میں معلومات اور اندازے یکساں نہیں رہتے۔ کون اندازہ لگا رہا ہے، کب اندازہ لگا رہا ہے، اس کی بڑی اہمیت ہوتی ہے(۴۱)۔ چونکہ اندازے کسی معروضی بنیاد سے محروم ہوتے ہیں اس لیے ان پر خبروں، افواہوں اور خود بازار قرض کے کھلاڑیوں کی تراشیدہ کہانیوں کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ شاطر کھلاڑی ان طریقوں سے دام اٹھانے گرانے کا کھیل کھیلتے ہیں اور وقت مناسب دیکھ کر تمسکات کی خرید و فروخت سے نفع بناتے ہیں۔ بازارِ قرض میں سٹہ بازی معیشت میں عدم استقرار کا سبب بنتی ہے جس کا برا اثر معیشت کی کارکردگی پر پڑتا ہے۔

اشیاء و خدمات کے بازار اور بازارِمالیات کے مابین بے ربطی

قرض اور قرض پر مبنی تمسکات کی نفع آور تجارت کا دروازہ کھلتے ہی انسانی معیشت کا نقشہ اس سے مختلف ہو جاتا ہے جس میں تجارت حقیقی اموال اور ان کی ملکیت کے وثیقوں تک محدود رہتی ہے۔ وعدوں کی اس تجارت کا حجم آسانی سے بڑھتا جاتا ہے، کیونکہ اشیاء اور خدمات کے حجم میں اضافہ تو ان وسائل پیداوار کی حد تک محدود ہے جو کسی وقت انسان کو میسر ہوں لیکن نئے وعدہ ناموں کی سپلائی کے لیے صرف یہ شرط ہے کہ کچھ لوگ ان وعدوں کو قبول کرنے پر آمادہ ہوں۔ مزید برآں، دوسرے تاجروں کی طرح قرض کے تاجر بھی ادھار کاروبار کرنے لگتے ہیں۔ قرضوں کی تجارت کے لیے مزید قرضے لیے جاتے ہیں۔ قرض کے تاجروں کا بھلا اس میں ہے کہ بازارِ قرض پھیلتا اور پھولتا چلا جائے کیونکہ ان کی دلچسپی وعدوں کے وفا ہونے یا قرضوں کے ادا کئے جانے میں نہیں بلکہ اس منافع میں ہے جو قرض پر مبنی تمسکات کی ہیرا پھیری سے بنائے جا سکتے ہیں۔ قرض پر مبنی نظام مالیات میں ذہین لوگوں کی ایک معتدبہ تعداد اسی ہیرا پھیری میں مصروف رہتی ہے جو جوئے کی طرح کی سٹہ بازی میں مبتلا ہو کر ایک بے مصرف کھیل zero sum game بن کر رہ جاتا ہے۔ کاروباری صلاحیتوں کے ساتھ قرض کے کاروبار میں دوسرے وسائل بھی لگتے ہیں۔ یہی نہیں کہ اس سے انسانی سماج کی قابلِ قدر پیدا آور طاقتوں کا ضیاع عمل میں آتا ہے بلکہ دولت اور آمدنی کی تقسیم میں مزید نا ہمواری بھی پیدا ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جدید پیداواری عمل وقت لیتا ہے اور اس کی تنظیم کے لیے بہت سے اصحابِ سرمایہ سے سرمایہ لے کر یکجا کرنا ضروری ہوتا ہے، اس لیے اس عمل کی تمویل کے دوران ایسے وثائق کا وجود میں آنا کوئی انہونی بات نہیں جو وعدے وعید اور عہد ناموں پر مشتمل ہوں۔ عام حالات میں ہر وثیقہ کا تعلق کس حقیقی مال، اشیاء اور خدمات سے ہو گا۔ شرکت، مضاربت اور مزارعت سے متعلق وثائق کے بالمقابل وہ خام مال، سامانِ تجارت، یا انسانی محنت، بیج، آب پاشی وغیرہ ہوں گی جن کے حصول پر کاروبار کا دارو مدار ہو۔ اجارہ، مرابحہ، سلم، استصناع وغیرہ کے بالمقابل بھی وہ عمارتیں، مشینیں، غلہ جات، مصنوعات، وغیرہ ہوں گی جن کو اس معاہدہ نامہ کے ذریعہ حاصل کیا گیا ہو۔ مگر یہ بات قرض لی گئی نقد رقم پر لازماً صادق نہیں آتی۔ قرض کی سند، یا قرض پر مبنی تمسکات، کی پشت پر ایک نقد رقم دینے کا وعدہ ہے اور بس۔ قرض لی ہوئی رقم سے اگر کوئی حقیقی اموال حاصل بھی کیے گئے تو ان کا اس وثیقۂ قرض سے کوئی رشتہ نہیں۔ قرض دینے والے نے اگر مقروض سے کوئی چیز رہن رکھوائی ہے تو اس کا معاملہ دوسرا ہے، مگر خود سندِ قرض اس کو قرض لی ہوئی رقم سے خرید کردہ اجناس و آلات پر کوئی مالکانہ حقوق نہیں دیتی۔ اسی وجہ سے آگے چل کر جب یہ وثیقۂ قرض تیسرے، چوتھے ہاتھوں میں پہنچتا ہے تو اس کا تعلق صرف اس پر کیے وعدہ سے باقی رہتا ہے، رقم کس مصرف میں کام آئی اس کا تاریخی ذکر بھی محو ہو جاتا ہے۔ اصلاً رقم کس نے لی تھی اس کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ بازارِ زر بے نامی قرض خواہوں اور بے نامی قرض داروں پر مشتمل ہو جاتا ہے۔ جدید بازار زر کی ایک نمایاں خصوصیت اس کا یہ بے نامی اور لا متناہی کردار ہے۔ اس بنا پر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ تمویل بالقرض پر مبنی نظامِ معیشت میں مالیاتی ڈھانچہ معیشت کے حقیقی ڈھانچہ سے آزاد ایک مستقل بالذات وجود کا حامل ہو جاتا ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس نظام میں مالیاتی ڈھانچہ کا حقیقی معیشت سے کوئی تعلق نہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ تعلق ویسا راست اور قوی نہیں جیسا تمویل بالقرض کے بغیر رہتا ہے۔ جیسا کہ ماہرین کا کہنا ہے حقیقی اثاثوں کی ایک نچلی سطح کی بنیاد پر تمسکاتِ قرض کا ایک اونچا پہاڑ کھڑا ہو جاتا ہے۔ بجائے اس کے کہ حقیقی معیشت میں واقع ہونے والی تبدیلیاں، پیداوار، روزگار اور رسد و طلب کے وہ تغیرات جو آبادی، ذوق، انرجی کے ذرائع اور ٹکنالوجی وغیرہ پر مبنی ہوتے ہیں، مالیاتی ڈھانچہ میں تبدیلیوں کا سبب بنیں، مالیاتی ڈھانچہ میں ہونے والی تبدیلیاں حقیقی معیشت میں تغیرات برپا کرتی رہتی ہیں۔ اوپر ہم بتا چکے ہیں کہ بازار قرض سے مغلوب مالیاتی ڈھانچہ میں آنے والی تبدیلیوں میں جوئے بازی کی طرح کے speculation کا بڑا دخل رہتا ہے۔ مالیاتی بالائی سطح superstructure میں آنے والی تبدیلیوں کا منبع حقیقی معیشت میں ہونے والے، یا آئندہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متوقع، تغیرات کی بجائے وہ اندازے ہوتے ہیں جو یہ کھلاڑی ایک دوسروں کے اندازوں کے بارہ میں لگاتے ہیں۔ معیشت میں بیش از بیش نفع کے طالب مالیاتی کھلاڑیوں کا اثر و رسوخ بڑھتا جاتا ہے۔

اسلامی مالیاتی نظام کی ایک امتیازی خوبی، معیشت کے مالیاتی ڈھانچہ کو معیشت کے حقیقی دائرہ سے مربوط اور اس کے تابع رکھنا، تورّق کے رواج اور اس کے نتیجہ میں قرض پر مبنی تمسکات کے پھیلاؤ سے مجروح ہو رہی ہے۔ باوجود اس اختلاف کے جو بیع الدین، یعنی قرض کے وثیقوں کی خرید و فروخت کے بارہ میں فقہ اسلامی کے مختلف مذاہب کے درمیان پایا جاتا ہے، قرض پر مبنی تمسکات کا بازار گرم ہو چکا ہے۔ جہاں ملیشیا کی طرح بیع الدین کے جواز کا فتویٰ نہیں ملا وہاں اس فتویٰ کا سہارا مل گیا کہ اگر کسی مجموعۂ تمسکات میں اکثریت سنداتِ ملکیت کی ہو (جن کی خرید فروخت بلااختلاف جائز ہے) اور اقلیت سندات قرض کی ہو (جن کی خرید فروخت کو اکثر فقہاء نا جائز قرار دیتے ہیں) تو اس مجموعہ کی خرید فروخت جائز ہے(۴۲)۔ اس موقف کے نتیجہ میں یہ چلن عام ہو گیا ہے کہ اجارہ اور سلم وغیرہ پر مبنی صکوک کے ساتھ، ان کے مقابلہ میں چھوٹا، ایک حصہ مرابحہ کی قابلِ وصول رقوم کے وثیقوں کا بھی شامل کر دیا جاتا ہے۔ نجی دائرہ کا اسلامی مالیاتی اداروں کے علاوہ اسلامک ڈویلپمنٹ بینک نے بھی ایسے صکوک جاری کئے ہیں جن میں اس طرح کے واجب الادا قرضے شامل ہیں (۴۳)۔ اس طرح کے اسلامک بانڈز معاصر بازارِ بانڈز کی طرح ایک طرف تو اپنے حامل کو وقت مقررہ پر ایک متعین منافع دینے کا وعدہ کرتے ہیں اور دوسری طرف طلب اور رسد کے باہمی تعامل کے نتیجہ میں ان کے دام بدلتے رہتے ہیں۔

قرض لینا بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ ذاتی ضروریات کی تکمیل کا معاملہ دوسرا ہے، مگر پیدا آور کاروبار کے لیے قرض اسی صورت میں لیا جانا چاہیے جب قرض لینے والے کا ظنِ غالب ہو کہ اس رقم کو کاروبار میں لگانے سے اسے جو فائدہ ہو گا وہ اتنا زیادہ ہو گا کہ قرض لی ہوئی رقم واپس کر سکے پھر بھی کچھ بچ رہے۔ مستقبل میں نتائج سامنے لانے والے کاروبار سے وابستہ ان توقعاتِ نفع کو یقینی تو نہیں بنایا جا سکتا مگر اس کی امید کی جانی چاہیے کہ قرض دینے والے اور قرض لینے والے دونوں احتیاط برتیں گے تاکہ توقعات نہ پوری ہونے کی صورت میں کسی کو ناقابلِ برداشت صدمہ نہ اٹھانا پڑے۔ قرض کے طلب گار سے رہن کا مطالبہ، ادائیگی میں ٹال مٹول پر جرمانہ، اور استطاعت کے باوجود ادائیگی نہ کرنے والوں کا سماجی بائیکاٹ وغیرہ وہ تدابیر ہیں جو ماضی میں اصلاحِ حال کے لیے اختیار کی جاتی رہی ہیں۔ قرض لینے والی حکومتوں اور بیرونِ ملک اداروں کے ساتھ بھی اسی طرح کا معاملہ رہا۔ مگر گزشتہ چند دہائیوں سے صورتِ حال بدل رہی ہے۔ صارفین، کاروباری اداروں، ملکی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکومتوں اور بیرون ملک قوموں اور اداروں سب کو باور کرا دیا گیا ہے کہ حال میں قرض لے کر اپنی پیداآور قوتوں میں اتنا اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ وقت آنے پر لیا ہوا قرض ادا کرنے کے باوجود اپنا معیارِ زندگی اونچا کیا جاسکے، کاروبار کو مزید بڑھاوا ملے، ملک کے ترقیاتی منصوبے چلائے جائیں یا تیسری دنیا کے پس ماندہ ملکوں کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا جا سکے۔ گزشتہ صدی کی ستر کی دہائی میں پٹرول کے دام بڑھے تو بازارِ مال میں سیولت liquidity بڑھی اور اس فاضل سیولت کو کام پر لگانے کے لیے اس کے دورانِ جدید recycling کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ بڑے ملٹی نیشنل بنکوں کی خدمات کے طفیل اور نئے بین الاقوامی مالیاتی اور ترقیاتی اداروں، مثلاً ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کے توسط سے عالم ثالث کے ترقی پذیر ملکوں پر قرضوں کی بارش ہوئی۔ ملکی حکومتوں نے ٹیکسوں کے ذریعہ ہونے والی آمدنی سے بڑھ چڑھ کر اخراجات کا وطیرہ اپنایا جس سے ملکی حکومتیں قرضوں کے بار تلے دبنے لگیں۔ صارفین کو کریڈٹ کارڈ کی سہولت ملی اور تاجروں کی ترغیبات نے چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے کی بجائے ایسی چادروں کا خواب دکھایا جو پھیلتے پاؤں کے ساتھ خود بھی پھیلتی جائیں۔ مآلِ کار بازارِ قرض صارفین کے قرض، خاص طور پر رہائشی مکانات کی ادھار خرید سے جنم لینے والے قرضوں، ملکی حکومت، مرکزی، صوبائی اور مقامی کے جاری کردہ بانڈز، ملک کے اندر کے دوسرے کاروباری اور مالیاتی اداروں کے جاری کردہ بانڈز، غیر ملکی حکومتی اور نجی دائرہ کے تمسکاتِ قرض......وغیرہ سے لبریز ہے۔

اسلام میں سود کی حرمت نے معیشت میں قرض کے حصہ role کو بہت محدود کر دیاہے۔ چونکہ حال میں ایک نقد رقم دے کر مستقبل میں اس سے زیادہ نقد رقم کا مطالبہ حرام ہے، قطع نظر اس کے کہ قرض کس مصرف کے لیے ہے اور اس کے لینے دینے والے کون ہیں، لہٰذا اسلامی معیشت میں ایک نفع آور کاروبار کے طور پر قرض کے لین دین کے رواج اور بازارِ قرض کے وجود، اس کے حجم میں مسلسل اضافہ اور اس کے اشیاء اور خدمات کے بازار پر بڑھتے ہوئے تسلط کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مگر تورّق کے رواج نے یہ بند توڑ دیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی مالیاتی ادارے بھی دوسرے سودی مالیاتی اداروں کی طرح اپنی فاضل سیولت کے نفع آور استعمال کے لیے بازارِ قرض کا سہارا لے رہے ہیں تاکہ وہ نفع آوری کی مسابقت میں پیچھے نہ رہ جائیں۔

قرض پر مبنی معیشت میں نظامِ زر

قرض پر مبنی معیشت میں نئے زر کی تخلیق اور حسبِ ضرورت زر کی مجموعی مقدار میں کمی بیشی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے کا کام قرضوں میں اضافہ یا کمی کے ذریعہ عمل میں آتا ہے۔ ملک کے مرکزی بینک کا جاری کردہ طاقت ور زر high powered money ہو یا تجارتی بینکوں کے ذریعہ تخلیق پانے والے derived deposits یا زرِ بنک، دونوں کی اساس قرض ہے۔ مثال کے طور پر جب حکومت کے وعدۂ ادائیگی کے عوض کسی ملک کا مرکزی بنک نیا زر تخلیق کرتا ہے تو طاقت ور زر کی سپلائی بڑھتی ہے اور جب کوئی تجارتی بینک کسی طالبِ قرض کو نیا قرض دیتا ہے تو اس قدر نیا زرِ بنک وجود میں آتا ہے(۴۴)۔ جیسے جیسے معیشت میں بڑھتی آبادی اور بڑھتی پیداوار کے لین دین کے لیے نئے زر کی رسد میں اضافہ ہوتا ہے اسی کے ساتھ معیشت میں قرض کے حجم میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بتایا، معیشت میں قرض کی بڑھتی مقدار کے ساتھ جوئے بازی سے ملتے جلتے speculation اور اس کے نتیجہ میں عدم استقرار اور تقسیم دولت اور آمدنی میں ناہمواری میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ یہ سب اسلام کے منشاء و مقصد کے خلاف باتیں ہیں۔ چنانچہ اسلامی ماہرینِ معاشیات قرض پر مبنی نظامِ زر کی جگہ کوئی ایسا متبادل لانے کی ضرورت پر متفق ہیں جو مذکورہ بالا خرابیوں سے پاک ہو۔ اسلامی نظامِ زر میں رسدِ زر میں پھیلاؤ کو حقیقی معیشت یعنی بازار اشیاء و خدمات کی ضروریات سے مربوط رہنا چاہیے جس کا افضل طریقہ یہ ہو گا کہ تخلیق زر کو قرض کی بجائے سرمایہ کاری پر مبنی رکھا جائے(۴۵) جیسا کہ ہم نے ایک دوسری جگہ تفصیل سے بتایا ہے، مضاربت پر مبنی سرمایہ کاری کے نتیجہ میں بھی نیا زر وجود میں آتا ہے(۴۶)۔ یہی حال قرض کے علاوہ دوسرے اسالیبِ تمویل کا ہے۔ مگر معاصر اسلامی فنانس میں تورّق کے رواج نے اسلامی نظامِ زر کی طرف پیش قدمی کو زبردست صدمہ پہنچایا ہے۔ ظاہر ہے کہ نظامِ زر کی تشکیل نو نجی دائرۂ معیشت میں نہیں عمل میں آ سکتی بلکہ اس کا تجربہ ملکی سطح پر کرنا ہو گا۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس تجربہ کا آغاز صرف سوڈان میں کیا گیا ہے(۴۷)۔

تورّق کی بحث کے آغاز میں ہم نے نوٹ کیا تھا کہ نقد کے عوض جس قرض پر معاملہ ہوتا ہے اس کی مقدار اس نقد سے زیادہ ہوتی ہے۔ قطعِ نظر اس کے کہ معاملہ کس طرح تکمیل پاتا ہے، معیشت کی کلّی سطح پر اس لازمی اضافہ کا اثر یہ پڑتا ہے کہ معیشت میں پھیلاؤ، یعنی نمو growth ایک لازمی چیز بن جاتی ہے۔ اگر قرض کے مجموعی سرمایہ کے استعمال سے پیدا ہونے والی نئی دولت اس مقدار دولت سے زیادہ نہ ہو تو جو قرض لی گئی تھی تو یہ نظام، یعنی پیداواری عمل کی تمویل بالقرض، زیادہ عرصہ نہیں چل سکتا، کیونکہ اس نظام میں سرمایہ کو کارآمد بنا کر اس کے ذریعہ سماج کی دولت میں اضافہ کرنے والے کاروباری افراد کا نفع سرمایہ کے نفع کے ساتھ نہیں بلکہ اس کی ادائیگی کے بعد شروع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے۔ اس نظام کے بقاء اور تسلسل کی شرط ہے کہ انسانی معیشت میں مسلسل پھیلاؤ جاری رہے اور وہ مسلسل نمو پاتی رہے۔ اس سوال کا جواب اس مقالہ میں نہیں دیا جاسکتا کہ کیا الی الابد ایسا ہوتے رہنا ممکن ہے۔ البتہ اس امر واقعہ کی نشاندہی کی جا سکتی ہے کہ لزوم نمو کے تقاضے پورے کرنے کے لیے معاصر نظامِ پیدائشِ دولت ماحول کی قوّتِ نمو اور اس کے تلوث برداشت کرنے کی حدود کا کوئی لحاظ نہیں رکھ پا رہا ہے۔ مسابقت کا دباؤ اور لزومِ نمو مل کر کاروباریوں اور ان کے تحت کام کرنے والوں کو اعصابی تناؤ میں مبتلا کئے رہتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ تمویل بالقرض کے پیدا کردہ اصل پر اضافہ کی طلب کا اثر تعلیم اور علاج معالجہ جیسے دائرہ ہائے معیشت کی تجارتی انداز پر تنظیم commercialization لازمی کر دیتا ہے بلکہ اس کے منفی اثرات سے خاندانی رشتے بھی نہیں بچ رہ سکتے۔ یاد رہے کہ تمویل بالقرض اضافہ کے ساتھ ادائیگی کے علاوہ وقت موعود پر ادائیگی کو بھی مستلزم ہے اور اس میں مدت کی ہر توسیع نئے اضافے ساتھ لاتی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ کاروباریوں کو بھی نفع چاہیے جو سرمایہ اور اس پر اضافہ کی ادائیگی کے بعد شروع ہوتا ہے، چنانچہ ان کا اصل ہدف اس اضافۂ مزید کو بیش از بیش بنانا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ چند دہائیوں میں ہوا ہے، ایک بار بازارِ قرض گرم ہوا تو رفتہ رفتہ انسانی زندگی کے نئے نئے دائرے، تعلیم و تربیت، علاج معالجہ، خاندانی حقوق و فرائض کی ادائیگی، سبھی تمویل بالقرض کے زیر سایہ آتے جاتے ہیں۔ ہر قدم پر نقد دینے والا چاہتا ہے کہ اس کے عوض بالآخر، اسے اس سے زیادہ نقد ملے اور وقت مقررہ پر ملے۔ چونکہ انسانی رشتے اور تعلیم اور علاج جیسے کام ان دائروں سے متعلق ہماری معلومات کے نقص اور فریقین کے درمیان معلومات میں زبردست فرق کی وجہ سے تجارتی تنظیم کے لیے سازگار نہیں اس لیے ان دائروں میں تمویل بالقرض کے نتائج اچھے نہیں ہو سکتے۔

مذکورہ بالا دباؤ اور تناؤ اور بیش از بیش نمو کی طرف لامتناہی دوڑ سے صرف وہ نظام مالیات بچا سکتا ہے جس میں سرمایہ سپلائی کرنے والوں اور اس کو کارآمد بنا کر اس کے ذریعہ دولت میں اضافہ کرنے والوں کا نفع ساتھ ساتھ شروع ہو، جیسا کہ مشارکت اور مضاربت یا ان پر مبنی طریقوں میں ہوتا ہے۔ اس نظام میں ضرورت کے تحت کچھ ایسے طریقوں کو جگہ دی جا سکتی ہے جن کے نتیجہ میں سنداتِ قرض وجود میں آتی ہیں، مثلاً اجارہ، مرابحہ وغیرہ۔ جب غلبہ نفع میں شرکت والے طریقوں کا ہو اور آج تھوڑا نقد دے کر کل زیادہ نقد لینے کا دروازہ بند رہے، تب ہی بازارِ قرض کی گرما گرمی اور اس فضا سے بچا جا سکتا ہے جس تک معاصر معیشت میں تمویل بالقرض کے غلبہ نے انسانیّت کو پہنچایا ہے۔ اسی لیے ضروری ہے کہ تورّق کا طریقہ نہ اختیار کیا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موجودہ صورتِ حال

معاصر اسلامی مالیات میں تورّق پر عمل درآمد کو بمشکل دس برس ہوئے ہیں، مگر اس کا رواج بڑھتا جا رہا ہے۔ جن شریعہ محققین نے اس کو بڑھاوا دیا ہے انہوں نے خرید و فروخت کے متعلقہ معاہدوں پر نظر ڈالی مگر معیشتِ کلّی پر اس کے اثرات کو نہیں سامنے رکھ سکے، جب کے اس جیسے معاملہ کو مصالح اور مفاسد کی میزان پر پرکھنا لازمی تھا۔ جیسا کہ ہم نے ایک اور مقالہ میں واضح کیا ہے(۴۸)، معاصر شریعہ محققین نے جن مدرسوں میں تعلیم پائی ہے ان میں اس طرح کے موازنہ کرنے کے لیے ضروری علوم و فنون نہیں سکھائے جاتے۔ غالبًا اختصاص کے اس دور میں سکھائے بھی نہیں جا سکتے۔ یہ موضوع علیحدہ سے غور و فکر کا طالب ہے کہ اس کمی کو کیسے پورا کیا جائے لیکن کمی کا اعتراف ضروری ہے۔

تورّق کے جواز کا فتویٰ دینے والے معاصر شریعۃ محققین کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ ماضی میں فقہاء کی ایک بڑی تعداد نے تورّق کو جائز قرا دیا ہے، اب اسے ناجائز کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس ماضی کا ذکر ہے اس میں آج کی طرح کا بازارِ قرض نہیں وجود میں آیا تھا۔ اسنادِ قرض یا قرض پر مبنی تمسکات کا کوئی خاص وجود نہیں تھا۔ نہ ان کی تجارت کا چلن تھا۔ تاجروں کے ظن و تخمین کا محور حقیقی اشیاء اور خدمات تھیں نہ کہ تمسکات اور اسناد۔ بازارِ اشیاء اور خدمات میں عدمِ استقرار کا منبع خشک سالی، قحط وغیرہ ہوتے تھے نہ کہ بازار تمسکات میں سٹہ بازی۔ بازار مواصلات کی سہولت اور نقل و حمل کی لاگت میں کمی نے آج قرضوں کا ایک باہم مربوط عالمی بازار بنا دیا ہے جو اس زمانہ میں نہیں تھا۔ دوسری طرف اقتصادیاتِ کلّی macroeconomics کی وہ بصیرتیں جو ماضیِ قریب میں بالخصوص کینز Keynes کے کام کے ذریعہ سامنے آئی ہیں اس وقت میسر نہیں تھیں، جن کے طفیل یہ تنبہ ہوا کہ بعض اعمال انفرادی سطح پر ایک اثر رکھتے ہیں لیکن سارے افراد کے اسی جیسے عمل کا مجموعی اثر دوسرا ہوتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ انسانی آبادی کے بڑے مجموعوں کے بارے میں اعداد و شمار جمع کرنے اور ان کا تجزیہ کر کے معیشتِ کلّی کے احوال کا مطالعہ کرنے کا نہ تو اس وقت تک چلن ہوا تھا نہ ایسا کرنے کے آلات tools اس وقت تک دریافت ہو سکے تھے۔ چنانچہ تورّق کے جواز سے چند افرد کو ہو سکنے والے فوائد تو سب کو نظر آ سکتے تھے مگر تورّق کے عام رواج سے پوری معیشت پر مرتب ہونے والے مضر اثرات کو نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نقد کی سپلائی کیسے ہو؟

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض اوقات افراد اور اداروں کو نقد کی ایسی ضرورت پڑ سکتی ہے جو معروف طریقوں سے نہ پوری ہو سکے، جن کے لیے قرضِ حسن کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہو۔ قدیم اسلامی تاریخ میں اس ضرورت کی تکمیل دو طریقوں سے ہوتی تھی: افراد کا دیا ہوا قرضِ حسن اور بیت المال۔ دور جدید میں اس ضرورت کی تکمیل کے لیے اوّل الذکر طریقہ کے احیاء کے پہلو بہ پہلو یہ تجویز کیا گیا تھا کہ تجارتی بینک اپنے چالو کھاتوں current accounts میں جمع رقوم کی ایک معمولی سی نسبت چھوٹی مدّتوں کے لیے قرض حسن دینے کے لیے مخصوص کریں(۴۹)۔ یہ بھی سوچنا چاہیے کہ صارفین کی حد تک، اوقاف اور جمع و تقسیمِ زکوٰۃ و صدقات کے اداروں کو اس ضرورت کی تکمیل کے لیے کس طرح کام میں لایا جائے(۵۰)۔ ایران میں اسلامی بینک قرضِ حسن بچت کھاتے کھولتے ہیں، 'ان کھاتوں میں رقمیں جمع کرنے کی ترغیب کے طور پر کھاتہ داروں کو غیرمعیّنہ انعامات اور بونس دیے جاتے ہیں، جو نقد بھی ہو سکتے ہیں اور کسی سامان کی شکل میں بھی۔ مزید محرک کے طور پر ان کھاتوں میں رقمیں جمع کرنے والوں کو بعض کمیشنوں اور فیسوں کی ادائیگی سے مستثنیٰ کردیا جاتا ہے، نیز بینک کی طرف سے ادا کی جانے والی خدمات میں ان کو پہلے نمبر پر رکھا جاتا ہے۔(۵۱) ان کھاتوں میں جمع رقوم کے بل پر ایران کے اسلامی بینکوں کے لیے یہ ممکن ہو گیا ہے کہ وہ ضرورت مندوں کو قرضِ حسن دے سکیں۔ 'قرضِ حسن کے اصول کے تحت قرضے زیادہ تر چھوٹے پیدا کنندگان، کسانوں اور چھوٹے پیمانہ پر بزنس کرنے والوں کو دیے جاتے ہیں۔ یہ قرضے ایسے افراد کو بھی ملتے ہیں جو اپنی کسی غلطی کے بغیر ایسی صورتِ حال میں مبتلا ہوں کہ اپنی کی کسی نجی ضرورت، مثلاً بیماری، سے نبٹنے کے لیے فنانس نہ پا سکیں۔(۵۲)

حرفِ آخر

اسلامی فنانس کا سفر ابھی شروع ہوا ہے۔ اگر اس نو خیز پودے کی آبیاری اور داشت میں بعض عناصر کی کمی نظر آتی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ امید ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ لوگ ان کمیوں کی طرف توجہ کریں گے اور اسلام اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے ناتے ان کو پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہ کام بازار کی اندھی قوتوں پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اس مقالہ میں ایسے لوگوں کی مدد کے لیے اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ مقاصدِ شریعت کی طرف رجوع نہ کرکے متوارث فقہی طریقوں ہی پر انحصار کر لینے سے جو خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں ان کو سامنے لایا جائے۔ و التوفیق باللہ!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

۱۔ مقاصد شریعت کے موضوع پر لکھے گئے مالات کی تفصیل مقالہ کے صفحہ اوّل میں درج کر دی گئی ہے۔

۲۔ یہ بات اب بھی صحیح ہے، اگرچہ انٹرنٹ کے ذریعہ یہ ممکن ہو گیا ہے کہ کسی لاگت کے بغیر بہت کم وقت لگا کر کوئی بھی کسی سے بھی ربط قائم کر سکے۔ اس امکان سے فائدہ اٹھا کر براہ راست فنانس کا ایک نیا دروازہ کھل گیا ہے۔ لیکن ابھی اس کا رواج محدود ہے۔ البتہ مستقبل ماضی سے بہت مختلف ہو گا۔ حالات کا رخ جاننے کے لیے ملاحظہ ہو: صفحہ ۴۶، رسالہ BusinessWeek, July 31,2006

۳۔ ملا حظہ ہو:

S. D. Goitein (1967) A Mediteranian Society, vol 1, Berkley,California

۴۔ ملاحظہ ہو:

Abraham L. Udovitch: Reflections on the Institutions of Cedit and Banking in the Meieval Islamic Near East, in Studia Islamica, vol 41, 1975 pp.1-21, see page 9. Also see the same author's paper entitled: Bankers without Banks: Commerce,Banking and Society in the Islamic Middle East, in the book: The Dawn of Modern Banking editted by the same author: (1979), New Haven, Yale University Press, pp255-273, see page 257

۵۔ ابنِ ماجہ: سنن، حدیث نمبر ۲۹۱۲ اور ۲۹۱۳ [کتاب التجارات، باب الشرکہ والمضاربہ، نمبر ۲۲]۔ نیز ملاحظہ ہو، ابوداؤد: سنن، کتاب البیوع

۶۔ ملاحظہ ہو، محمد نجات اللہ صدیقی: شرکت اور مضاربت کے شرعی اصول، دہلی، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند، ۱۹۶۸ صفحہ ۸۳-۸۴۔ یہ کتاب لاہور سے اسلامک پبلیکیشنز نے ۱۹۶۹ میں شائع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں صفحات مختلف ہو سکتے ہیں۔ نیز ملاحظہ ہو: سرخسی؛ المبسوط، مطبوعہ ۱۳۳۱ھ، مصر، مطبعۃ السعادہ، جلد ۲۲، صفحات ۹۸ تا ۱۰۴؛ کا سانی، بدائع الصنائع، ۱۹۱۰ء، مطبعہ جمالیہ، مصر۔ جلد ۶، صفحہ ۹۷ اور ابنِ قدامہ، المغنی، مطبوعہ ۱۳۴۵ھ، مصر، مکتبۃ المنار۔ جلد ۵، صفحہ ۱۶۱۔

۷۔ ملاحظہ ہو نوٹ نمبر ۱۶ میں مذکورہ مقالہ اور نوٹ نمبر ۱۷ میں مذکورہ کتاب

۸۔ ابو داؤد: سنن، حدیث نمبر ۲۸۳۳، کتاب البیوع، باب ۲۵

۹۔ بخاری: صحیح، حدیث نمبر ۱۔ باب بدء الوحی

۱۰۔ اس کی مثالیں حسبہ کے موضوع پر کتابوں میں ملیں گی۔

۱۱۔ تفصیلات کے لیے کتب حدیث اور کویت، وزارتِ اوقاف سے شائع ہونے والی الموسوعہ الفقہیہ کی طرف رجوع مناسب رہے گا۔

۱۲۔ متن میں مذکورہ معاملات کے بارے میں وزارۃ الاوقاف و الشئون الاسلامیہ، کویت سے شائع ہونے والی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الموسوعۃ الفقہیہ، کا مطالعہ مفید رہے گا، فقہ اسلامی کی اس انسائکلو پیڈیا کا اردو ترجمہ اسلامک فقہ اکاڈمی، انڈیا سے شائع ہو رہا ہے۔

۱۳۔ بحوالہ بالا، جلد ۲۷، صفحات ۲۳ - ۲۶(سفتجہ)۔ نیز ملاحظہ ہو: ظفرالاسلام اصلاحی: سفتجہ (بل آف ایکسچینج) کی فقہی حیثیت، سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی، علی گڈھ، جلد ۳، شمارہ ۲، اپریل-جون ۱۹۸۴ء، صفحات ۱۴-۳۳

مغلوں کے دور میں ہندوستان میں سفتجہ کے استعمال پر ملاحظہ ہو:

Irfan M. Habib, Banking in Mughal India, pp. 1-20 in Contributions to Indian Economic History I, edited by Tapan Ray chaudhury, Calcutta,1960, also by the same author, The System of bills of Exchange (Hundis) in the Mughal Empire, pp.290-303, Proceedings of the Indian History Congress, 33rd Session, 1972.

۱۴۔ بحوالہ بالا، جلد۹، صفحات ۹۳۔۹۵ (بیع العربون)۔ شرعی بحث کے لیے ملاحظہ ہو:

http://saaid.net/bahoth/68.doc

امام مالک نے موطا میں عربوں کی ممانعت کے بارہ میں جو حدیث نقل کی ہے وہی ابن ماجہ نے سنن میں روایت کی ہے جسے محققین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ یہی روایت ابوداؤد کی سنن میں بھی ہے۔ مگر موطا میں ذکر اور تیسری صدی ہجری میں مرتب کردہ مجموعات حدیث میں اس ذکر کی تکرار اس بات کا ثبوت ہے کہ دوسری، تیسری صدی ہجری میں یہ طریقہ رواج پا چکا تھا۔

۱۵۔ مفید تاریخی معلومات کے لیے ملاحظہ ہو:

Abdelkader Chachi, Origin and Development of Commercial and Islamic Banking Opertaions, Journal of King Abdulaziz University: Islamic Economics, vol 18, no.2, 2005/1426, English, pp.165

یہ مقالہ درج ذیل سائٹ پر بھی مل سکتا ہے:

http://islamiccenter.kaau.edu.sa/english/index.htm

۱۶۔ ملاحظہ ہو:

Mahmoud A. El-Gamal, An Economic Explication of the Prohibition of Riba in Classical Islamic Jurisprudence,Proceedings of the Third Harvard University Forum on Islamic Finance,1999, Harvard University, Cambridge, Massachusetts.pp29-40

۱۷۔ ملاحظہ ہو؛

Mohammad Nejatullah Siddiqi, Riba, Bank Interest and the Rationale of its Prohibition, 2004, Jeddah, Islamic Research and Training Institute, Islamic Development Bank. pp. 30-34

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۸۔ اس سلسلہ میں فقہ اسلامی کی مستند کتابوں کا مطالعہ مفید رہے گا۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو: ابن رشد، بدایۃ المجتہد، جلد ۲، کتاب البیوع اور متعلقہ مباحث [۱۹۸۵ء میں دار المعرفہ، بیروت سے شائع ہونے والے ایڈیشن میں صفحات ۱۲۴ تا ۳۳۳]

۱۹۔ ملاحظہ ہو نوٹ نمبر ۱ میں مذکورہ چوتھا مقالہ: مقاصدِ شریعت کی پہچان اور تطبیق میں اختلاف کا حل۔

20. S.D.Goiten:Studies in Islamic History and Institutions, Leiden, E.J.Brill,1968, pp328-32....

۲۱۔ ایضاً، صفحہ ۳۰۷

۲۲۔ ایضاً، صفحات ۲۳۸ اور ۳۱۹

۲۳۔ بیع الوفا، کے بارہ مین ملاحظہ ہو، موسوعۃ الفقہ الاسلامی، کویت.....، جلد ۹ اور سلیم رستم باز اللبنانی: شرح المجلہ، بیروت دار احیاء التراث العربی۔ ۱۹۸۶۔ صفحات ۶۷۔۶۸ اور صفحہ ۲۲۳

۲۴۔ ملاحظہ ہو،

Murat Cizakca: A History of Philonthropic Foundatios: The Islamic World from the Seventh Century to the Present, Istanbul, Bogazici University Press, 2000

25. Vardict Rispler-Chaim (1991) Insurance and Semi Insurance Transactions in Islamic History Until 19th Century, Journal of the Economic and Social History of the Orient,Vol. XXXIV, pp.142-155

۲۶۔ ایضاً، صفحہ ۱۵۵

۲۷۔ ابنِ عابدین شامی: ردّالمختار، جلد ۳، صفحہ ۲۴۹۔ بیروت، دارالکتب العلمیہ، بلا تاریخ۔ یہ سب سے پہلے ایڈیشن، نسخۂ امیریہ کا عکس ہے۔

۲۸۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، اس مقالہ نگار کی کتاب:

Muslim Economic Thinlking, Leicester, The Islamic Foundation, 1981/1988

۲۹۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، اس مقالہ نگار کی کتاب

Riba, Bank Interest and Rationale of its Prohibition, Jeddah, Islamic Development Bank, 2004, chs 3, 4, 5 & 6

۳۰۔ ملاحظہ ہو،

Munawar Iqbal and Philip Molyneux: Thirty Years of Islamic Banking. History, Performance and Prospects, Palgrave, 200

۳۱۔ ملاحظہ ہو اس مقالہ نگار کا مضمون;

Shariah, Economics and the Progress of Islamic Finance: The Role of

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

Shariah Experts. Paper presented at a Workshop at Havard Law School, Islamic Finance project, on 21 April, 2006

جو مصنف کی ویب سائٹ پر بھی مل سکتا ہے:

www.siddiqi.com/mns

32. Mohammad Uzair: An Outline of Interestless Banking, Karachi, Dacca, Raihan Publications,1955

۳۳۔ مختلف شریعہ بورڈو ں کے فتاویٰ ان کی ویب سائٹوں پر موجود ہیں۔ کویت فنانس ہاؤس (www.kfh.cm) بنک فیصل سوڈانی (www.fibsudan.com)۔ دبئی اسلامک بینک کی سائٹ (www.alislam.co.ae) پر فتاویٰ نہیں ہیں۔ مگر بہت سے فتاویٰ حرف نامی کمپنی کی سائٹ (www.harf.com) پر مل جاتے ہیں نیز ملاحظہ ہو: (www.al-islam.com) پر فتاویٰ نہیں ہیں۔ مگر فتاویٰ کے دوسرے مجموعوں میں شامل ہو سکتے ہیں ملاحظہ ہو www.harf.com اور www.al-islam.com ان کے علاوہ فتاویٰ کے مختلف مجمو عے کتابی شکال میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔

۳۴۔ ضروری معلومات اور حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو

Mohammad Nejatullah Siddiqi (2006), Islamic Banking and Finance in Theory and Practice: A Survey of State of the Art in Islamic Economic Studies (Jeddah), vol 13 No. 2, pp.1-48, especially pp.8-11

۳۵۔ ملاحظہ ہو، کویت کی وزارتِ اوقاف سے شائع ہونے والی موسوعہ فقہ اسلامی کی جلد ۴۱ میں تورّق کی بحث؛ ڈاکٹر محمد علی القری کی ویب سایٹ www.Elgari.com پر بحوث کے خانہ میں مقالہ نمبر ۳۰ 'التّورّق، معناه و حكمه و طريقة تنفيذهِ عملياً لدى البنوك، نیز انگریزی میں، لندن اسکول آف اکنامکس میں یکم فروری ۲۰۰۷ء کو منعقدہ ورکشاپ میں پیش کردہ مقالہ جسے ان سے یا ہارورڈ اسلامک فورم سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ احمد محمد خلیل الاسلامبولی: المرابحہ والعینہ والتّورّق بین اصول البنوکِ و خصومہا، صفحہ ۵۹۔۶۸۔ مجلّۃ جامعۃ الملک عبدالعزیز: الاقتصاد الاسلامی، جلد ۱۸ (۲۰۰۵) جو http://islamiccenter.kau.edu.sa پر دستیاب ہے؛ سامی السویلم: التّورّق والتّورّق المنظّم...... دراسہ تا صیلیہ (بحث مقدّم الی مجمع الفقہ الاسلامی۔ رابطہ العالم الاسلامی۔ مکّۃ المکرّمہ۔ اگست ۲۰۰۲؛

Mohammad Obaidullah (2005): Islamic Financial Services, Jeddah, King Absulaziz University, pp.109-112

Mahmoud A. El-Gamal (2006) Islamic Finance, Law Economics and Practice, Cambridge, pp. 69-72&160

۳۶۔ اسلامک بینک آف بریٹین اپنی ویب سائٹ پر، ذیلی سرخی Treasury Deposit Accounts کے تحت رقم طراز ہے (بتاریخ ۲۱ مارچ ۲۰۰۷ء) کہ 'شرعی اصولوں کے بموجب ہم آپ کو ان حسابات پر سود نہیں دے سکتے۔ ہم اس کا بھروسہ دلاتے ہیں کہ ہم اشیاء کے لین دین کا بندوبست کرا کے آپ کے لیے اپنی رقم کو ایک مقررہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدت کے لیے ایک طے شدہ شرحِ نفع پر ہمارے یہاں لگانا ممکن بنا دیں گے۔

http:www.islamic-bank.com/CommodityDeposits'

۳۷۔ خلیجی ممالک میں تورّق کے چلن کے بارہ میں معلومات مختلف خلیجی بینکوں کی ویب سائٹ کے ذریعہ مل سکتی ہے۔ مثال کے لیے ملاحظہ ہو:

http://www.alsafa.com.qa/murabaha/tawarruq.phb

۳۸۔ تفصیلی حوالوں اور سابقہ لٹریچر کی تلخیص کے لیے ملاحظہ ہو:

Mohammad Nejatullah Siddiqi: Riba, Bank Interest and the Rationale of its Prohobition (2004), Jeddah, Islamic Reserch and Training Institute, Islamic Development Bank, chapter 4. Also, Mohsin S.Khan and Abbas Mirakhor: (eds) [1987] Theoretical Studies in Islamic Banking and Finance, Houston, Texas, The Institute for Research and Islamic Economics. Also, Abbas Mirakhor (2005) Globalization and Islamic Finance, paper presented at the Sixth International Conference on Islamic Economics and Finance, Jakarta, 21.24 November 2005

39. Zamir Iqbal & Abbas Mirakhor (2007) An Introduction to Islamic Finance Theory and Practice, John Wiley and Sons (Asia), page 241

۴۰۔ ملاحظہ ہو؛

Hymen P. Minskey: Stabilizing an Unstable Economy (1986) new Haven and London, Yale University Press, pages 43,117 and 177

جوئے بازی کا جوہر بازی لگانے اور قسمت آزمائی کے لیے خطر انگیزی ہے جس کے لیے اکثر اوقت جوئے باز خود خطر کو جنم دیتے ہیں یا خود سے یکسر غیر متعلق خطر کو انگیز کرتے ہیں۔ اس کے برعکس تجارتی ظن وتخمین کا موضوع اشیاء اور خدمات کی قیمتوں، مقداروں، وغیرہ سے متعلق ہوتا ہے جن کا سامنا تجارت میں ناگزیر ہے۔ جوئے بازی جیسے ظن وتخمیں کا کھیل ان قیمتوں اور مقدارو ں کے اوپر طرح طرح سے اثر انداز ہونے اور ان کے اندازوں کے بارہ میں اندازے کر کے کھیلا جاتا ہے۔

41. Joseph E. Stiglitz and Bruce Greenwald, (2003), Towards A New Paradigm in Monetary Economics, Cambridge University Press, Page271

۴۲۔ ملاحظہ ہو:

,Mohammad Obaidullah (2005): Islamic Financial Services, Jeddah, King Abdulaziz University, pp.160-162 & 166

Mohammad Rafe Md Haneef (2005) Recent TrendsInnovations in

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

Islamic Debt Securities: Prospects for Islamic Profit and Loss Securities, in S.Nazim Ali:Islamic Finance Current Legal and regulatory Issues, Cambridge, Massachusetts, pp 29-60

۴۳۔ ملاحظہ ہو:

Zamir Iqbal & Abbas Mirakhor (2007), An Introduction to Islamic Finance, Theory and Practice, John Wiley and Sons (Asia) Pte Ltd, pp.190-192 نیز IDB Sukuk offering Circular, 2004 جو اسلامک ڈویلپمنٹ بینک سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔اس مقالہ نگار نے اسے درج ذیل سائٹ پر ۲۰۰۵ میں دیکھا تھا۔

ttp://.menafin.com/n_news_story_s.asp?storyId=97560

۴۴۔ ملاحظہ ہو، محمد نجات اللہ صدیقی (۲۰۰۲) غیر سودی بنک کاری، پانچواں باب، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی اور اسلامک پبلیکیشنز، لاہور

۴۵۔ اس تبدیلی کے اثرات بڑے دور رس ہیں۔ مشہور ماہرِ اقتصادیات جان موسن کا درج ذیل بیان بصیرت افروز ہے:

Jan Mossin (1973) Theory of Financial Markets, Prentice Hall Inc., Englewood Cliff, N.J

'سرمایہ کاری investment کے قرض اور حصہ داری پر مبنی دو طریقوں کے درمیان اہم ترین فرق یہ ہے کہ حصہ داری کے ذریعہ تمویل میں کارو باری ادارہ کو اس بات کا اختیار نہیں ملتا کہ وہ کتنی سرمایہ داری کرے اسے اسی قدر سرمایہ کے مطابق کاروبار چلانا ہوتا ہے جس قدر اسے بازار فراہم کرے' صفحہ ۱۶۰۔ آگے چل کر وہ مزید لکھتے ہیں 'یہ بات کہ حصص کے دام اور کاروباری اداروں کے ما بین سرمایہ کی تقسیم، بازار کی قوّتیں طے کرتی ہیں، خود کاروباری ادارے انھیں نہیں طے کر سکتے، یہ معنیٰ رکھتی ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ ایک طرح سے سرمایہ کاری کرنے والوں کے ہاتھوں میں رہتا ہے۔ اس بات میں ایک اخلاقی جاذبیت ہے (خواہ اس اخلاقی اپیل کو ہم جو معنیٰ پہنائیں!)' صفحہ ۱۶۲۔ اس موضوع پر مزید روشنی کے لیے دیکھیے:

Paul S.Mills & John R Pressley, (1999), Islamic Finance: Theory and Practice, Macmillan Press, UK and St.Martin Press, USA, pp.77-78

۴۶۔ غیر سودی بنک کاری، پانچواں باب، بحوالہِ بالا

47. Adam B El Hiraika (2004): On the Design of Monetary Policy in an Islamic- Framework, The Experience of Sudan, Jeddah, IRTI, IDB Also, see: Nadeem Ul Haque and Abbas Mirakhor, The Design of Instruments for Government Finance in an Islamic Ecoromy. International Monetary Fund. (March1998)WP/98/54

48. Mohammad Nejatullah Siddiqi: Shariah, Economics and the Prgress

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

of Islamic Finance, The Role of Shariah experts, available at <www.siddiqi.com/mns>

۴۹۔ محمد نجات اللہ صدیقی: غیر سودی بنک کاری، بحوالہ بالا، آٹھواں باب

50. Mohammad Nejatullah Siddiqi: Islamic Banking and Finance in Theory and Practice, A survey of the State of the Art, op.cit. pp.22-23

51. Nezamuddin Makiyan(2005) "The Lending policies of Islamic Banks ib Iran" in Islamic Perspectives on Wealth Creation, editted by Munawar Iqbal and Rodney Wilson, Edinburgh University Press, pp 84-94; page86

۵۲۔ ایضاً، صفحہ ۸۷

© rasailojaraid.com